تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان کے تخصص فی الفقہ کے نصاب میں
شامل الاشباہ والنظائر فن اول کا اردو ترجمہ بنام
قواعد فقہیہ
مصنف
علامہ زین الدین بن ابراہیم بن نجیم رحمۃ اللہ علیہ
ترجمہ و ترتیب
شیخ الحدیث مفتی محمد صدیق ہزاروی
مکتبہ اعلیٰ حضرت

تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان کے تخصص فی الفقہ کے نصاب میں
شامل الاشباہ والنظائر فن اول کا اردو ترجمہ بنام

مصنف
علامہ زین الدین ابن ابراہیم ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ و ترتیب
شیخ الحدیث مفتی محمد صدیق ہزاروی

مکتبہ اعلیٰ حضرت
داتا دربار مارکیٹ، لاہور
042-37247301
0300-8842540

نام کتاب: الاشباہ والنظائر

زبان: عربی

مصنف: علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ

نام ترجمہ اردو: قواعد فقہیہ

مترجم: شیخ الحدیث مفتی محمد صدیق ہزاروی مدظلہ العالی

صفحات: 88

سن اشاعت: مارچ 2015

ہدیہ: 100 روپے

ناشر: مکتبہ اعلیٰ حضرت

دربار مارکیٹ لاہور

042-37247301

0300-8842540

نوٹ: کتاب کی پروف ریڈنگ میں انتہائی احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔ تاہم بشری تقاضا کے مطابق اگر کہیں غلطی نظر آئے تو ادارہ کو ضرور مطلع فرمائیں۔

فہرست

نام کتاب الاشباہ والنظائر
زبان عربی
مصنف علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ
نام ترجمہ اردو: قواعد فقہیہ
مترجم: محدث مفتی محمد صدیق ہزاروی مدظلہ العالی
صفحات: 88
سن اشاعت: مارچ 2015
ہدیہ: 100 روپے
ناشر: مکتبہ اعلیٰ حضرت
دربار مارکیٹ لاہور
042-37247301
0300-8842540

نوٹ: کتاب کی پروف ریڈنگ میں انتہائی احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔ تاہم بشری تقاضا کے مطابق اگر کہیں غلطی نظر آئے تو ادارہ کو ضرور مطلع فرمائیں۔

فہرست

ابتدائیہ

فقہاء اسلام ادام اللہ فیضہم امت مسلمہ کے وہ عظیم المرتبت محسنین ہیں جن کی اجتہادی کاوشوں سے ملت اسلامیہ نے ہمیشہ اپنے فقہی مسائل کا حل قرآن وسنت کی روشنی میں حاصل کیا۔

بالخصوص فقہ حنفی جس کا سورج ہمیشہ روشن وتاباں رہا اور اس سے پورا عالم آج بھی منور زندگی کے تمام مسائل وہ انفرادی ہوں یا اجتماعی، کے حوالے سے نہایت جامع بھی ہے اور عقلی ونقلی دلائل سے مرصع بھی۔

فقہائے احناف (ادام اللہ برکاتہم) نے نہ صرف اپنے زمانے کے مسلمانوں بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے بھی فقہی کتب کی صورت میں ایک بہت بڑا علمی ذخیرہ چھوڑا ہے جس سے قیامت تک استفادہ ہوتا رہے گا۔

علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ کی شہرہ آفاق کتاب "الاشباہ والنظائر" اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جسے راہ علم کا کوئی بھی مسافر زادراہ بنائے بغیر رہ نہیں سکتا بالخصوص مسند افتاء کو رونق بخشنے والے فقہاء کرام کے لیے اس سے استفادہ نہایت ضروری ہے۔

الاشباہ والنظائر سات فنوں پر مشتمل ہے۔

پہلا فن۔ قواعد فقہیہ اور ان سے متعلق متعدد فروعی مسائل پر مشتمل ہے۔

دوسرا فن۔ فقہی عنوانات کے تحت فوائد پر مشتمل ہے۔

تیسرا فن۔ الجمع والفرق کے نام سے موسوم ہے اور اس میں احکام کا بیان ہے۔

چوتھا فن۔ الالغاز کے نام سے ہے جس میں کچھ فقہی مسائل سوال وجواب کی صورت میں بیان کیے گئے ہیں اور پوشیدہ علمی فقہی خزانہ کو منظر عام پر لایا گیا ہے۔

پانچواں فن۔ اس میں مختلف فقہی ابواب سے متعلق حیلوں کا ذکر ہے۔

چھٹا فن ۔ فروق کے نام سے ہے اس میں مولف رحمۃ اللہ علیہ نے امام کرابیسی کی الفروق جو تنقیح المحبوبی کے نام سے موسوم ہے سے کچھ مسائل درج کیے ہیں۔

ساتواں فن۔ اس فن میں فقہی مسائل سے متعلق کچھ حکایات اور مراسلات (خطوط) مذکور ہیں۔

تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان نے "تخصص فی الفقہ" کے لیے نصاب ترتیب دیا تو اس میں "الاشباہ والنظائر" کا فن اول (جو قواعد پر مشتمل ہے) بھی شامل کیا گیا ہے۔ تنظیم المدارس کی مجلس عاملہ کی طرف سے منظوری کے بعد جب اس سال یعنی 2014ء میں جامعہ ہجویریہ مرکز معارف اولیاء دربار عالیہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ میں تخصص فی الفقہ کی کلاس کا آغاز ہوا تو دیگر اسباق کے ساتھ "الاشباہ والنظائر" کی تدریس بھی راقم کے سپرد ہوئی۔ تدریس کے دوران محسوس کیا گیا کہ اس کتاب کے فن اول جو قواعد فقہیہ پر مشتمل ہے، کو اردو ترجمہ کے ساتھ "قواعد فقہیہ" کے نام سے شائع کیا جائے تاکہ اس سے استفادہ عام ہو سکے۔

فقہیہ

الحمد للہ! راقم نے جزئیات اور فروع سے صرف نظر کرتے ہوئے محض قوانین اور ضروری مثالوں پر مشتمل یہ اہم کام بفضلہ تعالیٰ مختصر وقت میں مکمل کر لیا۔

مکتبہ اعلیٰحضرت جو اشاعتی دنیا میں ایک اہم نام ہے اور اس مکتبہ کی مطبوعات جس حسن طباعت کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہیں اس پر اس ادارہ کے سربراہ علامہ محمد اجمل قادری عطاری زید مجدہ مبارک باد کے مستحق ہیں اس کتاب کی طباعت کا سہرا بھی ان کے سر سجتا ہے۔ راقم علامہ موصوف کا شکر گزار ہے کہ انھوں نے اس اہم کتاب کی اشاعت کی ذمہ داری قبول فرمائی اللہ تعالیٰ علامہ محمد اجمل قادری مدظلہ کو اجر عظیم عطا فرمائے، مکتبہ اعلیٰحضرت کو دن دونی رات چوگنی ترقی اور "قواعد فقہیہ" کے فیض کو عام فرمائے۔ آمین

محمد صدیق ہزاروی سعیدی ازھری

استاد الحدیث جامعہ ہجویریہ

لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فقہ اسلامی

علم فقہ کی تعریف

لغوی اعتبار سے فقہ کسی چیز کو جاننے اور معلوم کرنے کا نام ہے۔

اصطلاح فقہاء میں اس کی تعریف یوں ہے۔

العلم بالاحکام الشرعیۃ الفرعیۃ المکتسب من ادلتھا التفصیلیۃ

ان احکام شرعیہ فرعیہ کا جاننا جو اپنے تفصیلی دلائل (قرآن سنت، اجماع اور قیاس) سے اخذ کیے گئے ہوں۔ (الدر المختار، جلد 1، ص5)

علم فقہ کا موضوع

اس علم میں مکلف (عاقل و بالغ) مسلمان کے فعل یعنی فرض، واجب، حلال، حرام، مستحب اور مکروہ وغیرہ سے بحث کی جاتی ہے۔

ماخذ فقہ

فقہ کے چار ماخذ ہیں۔ قرآن، سنت، اجماع اور قیاس۔

علم فقہ کی غایت

اس علم کے حصول کا مقصد دارین کی سعادتوں سے بہرہ ور ہونا ہے یعنی انسان دنیا میں خود بھی جہالت کی گھاٹیوں سے نکل کر علم نافع کے اعلیٰ مرتبہ کو پہنچ جائے۔ خود بھی احکام الٰہیہ پر عمل پیرا ہو اور دوسروں کو بھی حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تعلیم دے کر آخرت میں جنتی نعمتوں سے مالا مال ہو جائے۔

(مفید المفتی۔ فقہ اسلامی صفحہ 11)

علم فقہ کی فضیلت

علم فقہ کی اہمیت وفضیلت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے حصول کے بعد انسان نہ صرف اپنی انفرادی زندگی بلکہ معاشرتی اور اجتماعی زندگی میں بھرپور کردار ادا کرنے کے قابل ہو جاتا ہے جب تک وہ علم فقہ سے بہرہ ور نہیں ہوتا، حقوق اللہ اور حقوق العباد سے لاعلم رہتا ہے اور جہالت کی وادیوں میں بھٹکتا رہتا ہے لہٰذا وہ حقوق کی ادائیگی کرنا چاہے بھی تو معلومات نہ ہونے کی بنیاد پر خود بھٹکنے بلکہ دوسروں کو بھی غلط راستے پر ڈالنے کا خطرہ رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کی تبلیغ کے لیے علم فقہ کا حصول لازمی قرار دیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا فى الدين ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم (سورۃ توبہ آیت 124)

تو کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آ کر اپنی قوم کو ڈر سنائیں۔

اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکثرت زاہد سے فقیہ کی برتری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

فقيه واحد اشد على الشيطان من الف عابد

(جامع ترمذی باب العلم صفحہ 384)

ایک فقیہ شیطان پر ایک ہزار عابد کی نسبت زیادہ سخت ہوتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

تفقهوا قبل ان تسودوا (صحیح بخاری جلد اول صفحہ 17)

حصول سیادت سے پہلے فقہ (دین کی سمجھ) حاصل کرو۔

جیسا کہ آپ نے گزشتہ سطور سے معلوم کرلیا، فقہ کی بنیاد چار چیزوں پر ہے۔ قرآن، سنت، اجماع اور قیاس۔ بعض لوگ قرآن وسنت کو تو مانتے ہیں لیکن اجماع وقیاس کو جن کی بنیاد اجتہاد واستنباط پر ہے تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ گویا ان کے نزدیک قرآن وسنت کی روشنی میں مسائل کا حل پیش کرنے والے فقہاء کرام کی تمام کاوشیں بے کار اور خلاف اسلام ہیں۔ حالانکہ وہ نہیں جانتے کہ قرآنی

آیات، احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اقوال صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں غور وفکر کر کے وقتاً فوقتاً پیش آنے والے مسائل کا حل تلاش نہ کیا جائے تو امت مسلمہ کس کی طرف رجوع کرے گی۔ کیا ان کے نزدیک عقیدہ ختم نبوت کی کوئی حیثیت نہیں اور وہ نہیں جانتے کہ اب کوئی نیا نبی نہیں آئے گا جو قرآن پاک کی تشریح وتوضیح کے ذریعے مسائل کا حل بتائے۔ بلکہ یہ فریضہ اجتہادی صلاحیتوں سے بہرہ ور علماء کو سونپا گیا ہے اور یہ امت مسلمہ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے۔

مذاہب اربعہ

اجتہاد کا سلسلہ دور رسالت ہی میں شروع ہو چکا تھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مسرت کا اظہار بھی فرمایا تھا۔ صحابہ کرام قرآن وسنت کی روشنی میں پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کرتے تھے۔ تابعین نے بھی اس کام کو آگے بڑھایا اور یوں مختلف علاقوں میں مجتہدین کرام کی جماعتیں وجود میں آ گئیں۔

ان فقہاء ومجتہدین میں سے بعض حضرات کی فقہ مدون ہوئی۔ اس کے لیے اصول وضوابط بنائے گئے اور اس طرح ان کے فقہی مذاہب جاری ہو گئے۔

لیکن ان فقہی مذاہب میں سے صرف چار مذاہب درجہ شہرت کو پہنچے۔ عالم اسلام میں بسنے والے مسلمانوں نے ان سے رشتہ جوڑا اور ان کی فقہی قیادت کو تسلیم کیا۔ ان چار فقہی مذاہب کے بانی امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت، امام مالک بن انس، امام محمد بن ادریس شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ ہیں جن کی فقہ بالترتیب فقہ حنفی، فقہ مالکی، فقہ شافعی اور فقہ حنبلی کہلاتی ہے۔

تقلید

اہلسنت وجماعت کا ان چار مذاہب فقہ میں سے کسی ایک کے ساتھ تعلق ضروری ہے اور اس تعلق کو تقلید کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

بعض مفسرین نے ارشاد باری تعالیٰ واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا کی تفسیر میں لکھا ہے کہ "حبل اللہ" (اللہ کی رسی) سے (جماعت) مراد ہے کیونکہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے "لاتفرقوا" (اور الگ الگ [illegible]) [illegible] مراد

ہیں جو شخص ان لوگوں سے ایک بالشت بھی جدا ہوا وہ گمراہی میں پڑ گیا۔ اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم ہوا اور جہنم کا مستحق ہوا کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، خلفاء راشدین اور بعد کے لوگوں کا طریقہ وہی لوگ پا سکتے ہیں جو اہل علم وفقہ ہیں۔ پس جو شخص جمہور فقہاء اور سواد اعظم سے الگ ہوا وہ اہل جہنم کے ساتھ مل گیا۔ لہٰذا اے مومنین کی جماعت! تم پر نجات پانے والی جماعت ''اہلسنت و جماعت'' کی اتباع لازم ہے کیونکہ ان کی موافقت سے ہی اللہ تعالیٰ کی مدد، حفاظت اور توفیق حاصل ہوتی ہے۔ جبکہ ان کی مخالفت، ذلت ورسوائی اور اللہ تعالیٰ کے غضب کا باعث ہے اور آج یہ نجات پانے والی جماعت صرف چار مذاہب میں منحصر ہے یعنی وہ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی ہیں۔ جو شخص اس دور میں ان چار مذاہب سے خارج ہے وہ بدعتی، مستحق جہنم ہے۔ (حاشیۃ الطحاوی علی الدر مختار جلد 4، ص 102-103)

فقہ حنفی

ان چار مذاہب میں سے فقہ حنفی کو جو قبولیت عامہ حاصل ہوئی وہ محتاج تعارف نہیں۔ آج دنیا میں فقہ حنفی سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں کی تعداد دیگر مذاہب کے متعلقین سے کہیں زیادہ ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ کونسی وجوہات ہیں جن کی بناء پر فقہ حنفی ایک امتیازی شان کی حامل بن گئی۔ اس ضمن میں مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

''امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس صفت میں اپنے تمام ہمعصروں سے ممتاز تھے کہ وہ مذہبی تقدس کے ساتھ ساتھ دنیاوی اغراض کے اندازہ شناس تھے اور تمدن کی ضرورتوں کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ مرجعت اور فصل قضایا (مقدمات کے فیصلوں) کی وجہ سے ہزاروں پیچیدہ معاملات ان کی نگاہ سے گزر چکے تھے۔ ان کی مجلس افتاء بہت بڑی عدالت عالیہ تھی جس نے لاکھوں مقدمات کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ ملکی حیثیت رکھتی تھی اور ارکان سلطنت مہمات امور میں ان سے مشورہ لیتے تھے۔ ان کے شاگرد اور ہم نشین جن کی تعداد سینکڑوں سے زیادہ تھی عموماً وہ لوگ تھے جو منصب قضا پر مامور تھے۔ ان باتوں کے ساتھ خود ان کی طبیعت مقننانہ اور معاملہ سنج واقع ہوئی تھی۔ وہ ہر بات کو قانون کی حیثیت سے دیکھتے تھے اور اس کی دقیق نکتوں تک پہنچتے تھے۔'' (مولانا شبلی نعمانی۔ سیرت نعمان ص 180)

فقہ حنفی کی خصوصیات

علامہ شبلی نعمانی نے فقہ حنفی کی پانچ خصوصیات ذکر کی ہیں:

1- عقل کے مطابق ہونا:

فقہ حنفی عقل کے مطابق ھے اور یہ فقہ مسائل کے اسرار و مصالح پر مبنی ہے۔ اس سلسلے میں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح معانی الاثار کو سامنے رکھا جائے تو واضح ہوتا ھے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب، احادیث اور غور و فکر دونوں کے موافق ہے۔

2- آسان ہونا:

فقہ حنفی آسان فقہ ہے۔ قرآن پاک میں متعدد جگہ آیا ھے کہ "خدا تم لوگوں پر آسانی چاہتا ھے سختی نہیں چاہتا۔" (سورۃ البقرہ آیت 185)

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں سیدھے اور آسان دین کے ساتھ بھیجا گیا ہوں۔ (مسند امام احمد بن حنبل جلد 6، ص 116) یہ آسانی دین اسلام کا طرہ امتیاز ھے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ میں بھی یہی بات پیش نظر رکھی گئی ہے۔ اس سلسلے میں بے شمار مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ یہاں صرف ایک مثال پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ مثلاً چوری کے ایک نصاب یعنی ایک اشرفی میں متعدد چور مشترک ہوں تو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کسی کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ جبکہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر ایک کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

3- قواعد معاملات کی وسعت:

فقہ حنفی کے قواعد معاملات وسیع تمدن کے موافق ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک معاملات کے احکام ایسے ابتدائی حالات میں تھے کہ تمدن و تہذیب یافتہ ملک کے لیے بالکل ناکافی تھے۔ نہ معاہدات کے استحکام کے قواعد منضبط تھے، نہ دستاویزات وغیرہ کی تحریر کا اصول قائم ہوا تھا اور نہ مقدمات کے فیصلوں اور ادائے شہادت کا کوئی باقاعدہ طریقہ تھا، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پہلے شخص ہیں جو ان چیزوں کو قانون کی صورت میں لائے۔

4-ذمیوں کے حقوق:

وہ غیر مسلم جو مسلمانوں کے ملک میں ان کے تابع بن کر رہتے ہیں ذمی کہلاتے ہیں۔ اسلام نے جس طرح مسلمان رعایا کو حقوق عطا کیے ہیں اسی طرح ذمیوں کی حفاظت اور ان کے حقوق کی ادائیگی کا بھی اعلان کیا ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اسلامی تعلیمات کے مطابق اپنی فقہ میں ذمیوں کو جو حقوق دیے ہیں دنیا کی کسی حکومت نے غیر قوم کو وہ حقوق نہیں دیے۔ فقہ حنفی کے مطابق ذمیوں کے حقوق محض زبانی دعویٰ نہیں بلکہ یہ عملاً نافذ رہے ہیں۔ بالخصوص ہارون الرشید کی وسیع حکومت انہی احکام کی پابند تھی۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ذمیوں کا خون مسلمانوں کے خون کے برابر ہے۔

5- نصوص شرعیہ سے مطابقت:

ویسے تو ہر امام کی فقہ نصوص شرعیہ یعنی قرآن و سنت سے ثابت ہے لیکن امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا اجتہاد و استنباط دوسرے آئمہ کی نسبت زیادہ قوی اور مدلل ہے مثلاً امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ کا مذہب ہے کہ نماز کے دوران مقیم کو پانی مل جائے تو تیمم ٹوٹ جائے گا۔ امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم اس کے خلاف ہیں۔ امام اعظم کا استدلال یہ ہے کہ قرآن پاک میں تیمم کا جواز "فلم تجدوا ماءً" (پانی نہ پاؤ) کی شرط سے مشروط ہے۔ جب شرط نہ رہی تو مشروط بھی باقی نہ رہا۔ اس طرح کی بے شمار مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں لیکن یہ مختصر مضمون ان کا متحمل نہیں ہو سکتا تفصیل کے لیے دیگر کتب کی طرف رجوع کیا جائے۔ (سیرت نعمان صفحہ 180-182)

شاہ ولی اللہ اور فقہ حنفی

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان کے بے علم لوگوں پر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کی تقلید ضروری سمجھتے ہیں، فرماتے ہیں:

"جب جاہل آدمی ہندوستان کے ممالک اور ماوراء النہر کے شہروں میں ہو اور کوئی عالم شافعی، مالکی اور حنبلی وہاں نہ ہو اور نہ ان مذاہب کی کوئی کتاب ہو تو اس پر واجب ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرے اور امام اعظم کے مذہب سے باہر نکلنا اس پر حرام ہے کیونکہ اس صورت میں شریعت کی رسی اپنی گردن سے نکال کر مہمل و بیکار رہ جائے گا۔ (الانصاف مع اردو ترجمہ کشاف، ص 70-71)

رسم مفتی...... چند اہم اور بنیادی امور

شرعی مسائل سے متعلق کسی ماہر شریعت کے فیصلے کو الفتوی، اور الفتیا کہا جاتا ہے۔ البتہ معروف اور مستعمل لفظ فتوی ہے جس کی جمع فتاوی آتی ہے۔

شرعی مسئلہ دریافت کرنے والے کو مستفتی اور مسئلہ بتانے والے کو مفتی کہا جاتا ہے۔ مسئلہ معلوم کرنا استفتاء اور اس کا جواب افتاء کہلاتا ہے۔ قرآن پاک میں یہ دونوں لفظ استعمال ہوئے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

ویستفتونک فی النساء اور وہ آپ سے عورتوں کے بارے میں فتوی (شرعی حکم) پوچھتے ہیں۔
(سورۃ النساء آیت 127)

قل اللہ یفتیکم فیھن آپ فرما دیجیے اللہ تعالی ان کے بارے میں فتوی دیتا (حکم بتاتا) ہے۔
(ایضا)

فتوی کی اقسام

فتوی کی دو قسمیں ہیں۔ اس سلسلے میں حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فتوی کی دو قسمیں ہیں عرفی اور حقیقی۔ حقیقی یہ ہے کہ تفصیلی دلیل کی معرفت کے بعد فتوی دیا جائے یہی وہ لوگ ہیں جن کو اصحاب فتوی کہا جاتا ہے۔ (جیسے) کہا جاتا ہے" یہی فتوی دیا ہے فقیہ ابو جعفر اور فقیہ ابو اللیث اور ان جیسے دوسرے حضرات نے۔"

اور عرفی فتوی یہ ہے کہ (کوئی) عالم لوگوں کو امام کے اقوال بتائے وہ دلیل کو نہ جانتا ہو محض تقلید کے طور پر ایسا کرے جیسے کہا جاتا ہے فتاوی ابن نجیم، غزی طوری اور فتاوی خیریہ وغیرہ اور بعد کے زمانے میں فتاوی رضویہ ہے۔ اللہ تعالی اسے پسندیدہ اور راضی کرنے والا بنائے۔
(فتاوی رضویہ جلد اول، ص 109 مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

دور حاضر کے فتاوی

حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ... [illegible] ... حاضر کے

فتاویٰ کو حقیقتاً فتاویٰ نہیں کہہ سکتے۔ اسی طرح آج کے دور میں فتویٰ دینے والے علماء کرام پر مفتی کا اطلاق عرفاً ہوتا ہے حقیقتاً نہیں۔ حضرت شیخ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی بات فرماتے ہیں وہ لکھتے ہیں"

اس سے ظاہر ہو گیا کہ ہمارے زمانہ میں جن موجودہ لوگوں کا فتویٰ ہوتا ہے وہ درحقیقت فتویٰ نہیں ہے بلکہ کسی مفتی (مجتہد) کا کلام نقل کر دیا جاتا ہے کہ مستفتی اسے اختیار کرے۔ (فتح القدیر جلد ۱، ص 4)

نقل فتویٰ کی صورتیں

کسی مفتی کے قول کو نقل کرنے کی کیا صورت ہوگی؟ اس سلسلے میں حضرت شیخ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں" ایسے مجتہد (حقیقی مفتی) سے نقل لانا بھی دو طرح کا ہو سکتا ہے۔ ایک یہ کہ اس ناقل مفتی سے مجتہد تک کوئی مسلسل سند ہو۔ دوسرا یہ کہ یہ کسی معروف کتاب سے نقل کرے جو مجتہد سے اس وقت تک ہاتھوں ہاتھ چلی آ رہی ہے۔ البتہ اگر نوادر (کتب) سے کوئی نقل مشہور و متداول متون جامعہ اور مبسوط میں پائی جائے تو اس پر فقط اس وجہ سے اعتماد ہوگا کہ جس کتاب میں یہ بات منقول ہے وہ معروف و متداول ہے۔ (ایضاً)

راجح قول پر فتویٰ

مفتی مجتہد ہو یا مقلد (ناقل) اس پر واجب ہے کہ وہ راجح قول پر عمل کرے اور اسی پر فتویٰ دے۔ علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ان الواجب علی من اراد ان یعمل لنفسہ او یفتی غیرہ ان یتبع القول الذی رجحہ علماء مذھبہ (رسائل ابن عابدین ص 10)

"جو شخص عمل کرنا چاہے یا دوسرے کو فتویٰ دے اس پر واجب ہے کہ وہ اس قول کو اپنائے جسے اس کے مذہب کے علماء نے ترجیح دی ہو" بنا بریں مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ طبقات فقہاء سے آگاہ ہوتا کہ اسے دو باہم مخالف قول کرنے والوں میں تمیز کرنے کی بصیرت اور دو متعارض قولوں میں سے ایک کو ترجیح دینے کی طاقت حاصل ہو جائے۔

طبقات فقہاء

فقہاء کرام کے چھ طبقات ہیں۔

1- مجتہد فی الشرع:

یہ وہ فقہا کرام ہیں جو قواعد و اصول بناتے اور ادلہ اربعہ سے احکام کا استنباط کرتے ہیں۔ یہ اصول و فروع میں کسی کے مقلد نہیں ہوتے جیسے چاروں مسالک فقہ کے ائمہ کرام حضرت امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ۔

2- مجتہد فی المذہب:

یہ فقہا کرام ان مذکورہ بالا حضرات کے بنائے ہوئے قواعد کے مطابق ادلہ اربعہ سے احکام کا استنباط و استخراج کرتے ہیں۔ جیسے حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ یہ حضرات اصول میں مقلد ہیں۔

3- مجتہد فی المسائل

وہ مجتہدین جنھیں کسی صاحب مذہب سے روایت نہ ملے تو خود مسائل کا استنباط کرتے ہیں لیکن اصول فروع میں مقلد ہوتے ہیں جیسے امام خصاف، امام ابو جعفر طحاوی، امام ابو الحسن کرخی، شمس الائمہ حلوانی، شمس الائمہ سرخسی، فخر الاسلام بزدوی اور فخر الدین قاضی رحمۃ اللہ علیہم۔

4- اصحاب التخریج:

یہ لوگ اجتہاد بالکل نہیں کر سکتے البتہ کسی مجمل قول کی وضاحت کر سکتے ہیں اور جہاں صاحب مذہب سے منقول روایت میں دو باتوں کا احتمال ہو وہاں فیصلہ کرتے ہیں جیسے امام ابو بکر رازی رحمۃ اللہ علیہ۔

5- اصحاب الترجیح

یہ حضرات "ہذا اولیٰ" یا "ہذا اصح" وغیرہ الفاظ کے ساتھ بعض روایات کو دوسری بعض پر فضیلت دیتے ہیں جیسے امام قدوری اور صاحب ہدایہ وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم۔

6-مقلدین

وہ مقلدین جو اقوی اور قوی کے درمیان اسی طرح ضعیف اور قوی کے درمیان پھر ظاہر مذہب اور روایت نادرہ کے درمیان تمیز کر سکتے ہیں جیسے فقہ کی معتبر کتب متون کے مصنفین مثلاً کنزالدقائق وغیرہ۔

اس کے بعد وہ عام مقلدین ہیں جو ان مذکورہ بالا امور میں سے کسی کی بھی طاقت نہیں رکھتے۔

فتاویٰ

مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ کتب فتاوی اور ان کی ترتیب سے متعلق علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تحریر سے آگاہ ہو۔ آپ فرماتے ہیں۔ ہمارے حنفی اصحاب نے مسائل کو تین طبقات میں تقسیم کیا ہے:

1-مسائل اصول:

ان کو ظاہر الروایت بھی کہا جاتا ہے۔ یہ وہ مسائل ہیں جو اصحاب مذہب یعنی حضرت امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم سے منقول ہیں اور یہ مسائل حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی درج ذیل چھ کتب میں پائے جاتے ہیں۔

(1) مبسوط (2) زیادات (3) جامع صغیر (4) جامع کبیر (5) سیر صغیر (6) سیر کبیر۔ ان کو ظاہر الروایہ اس لیے کہتے ہیں کہ انھیں حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے ثقہ لوگوں نے روایت کیا ہے اور یہ حد تواتر یا حد شہرت کو پہنچی ہوئی ہیں۔

علامہ شامی فرماتے ہیں:

جو مسائل ان کتب میں مروی ہیں وہ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے ظاہر الروایت کے طور پر منقول ہیں۔ مفتی کو ان کے مطابق فتویٰ دینا چاہیے۔ اگر ان مسائل کی صراحتاً تصحیح نہ کی گئی ہو یا فقہاء کرام کسی ایسے مسئلہ کو صحیح قرار دیں جو ظاہر الروایت کتب کے علاوہ کتابوں میں مذکور ہو تو اس مسئلہ کو اختیار کریں۔

2-مسائل النوادر:

یہ مسائل بھی ان اصحاب مذہب مجتہدین سے مروی ہیں لیکن ان مذکورہ بالا کتب میں نہیں بلکہ دوسری کتب میں پائے جاتے ہیں چاہے وہ کتب حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف ہوں جیسے کیسانیات، ہارونیات، جرجانیات اور رقیات وغیرہ۔ یا دوسرے حضرات کی کتب میں ہوں جیسے حضرت امام حسن بن زیاد رحمۃ اللہ کی کتاب "المجرد"

3-فتاویٰ وواقعات:

یہ وہ مسائل ہیں کہ متاخرین مجتہدین نے ان کا استنباط کیا یعنی جب ان سے مسائل پوچھے گئے اور انہوں نے متقدمین نے ان کا استنباط کیا یعنی جب ان سے مسائل پوچھے گئے اور انہوں نے متقدمین اہل مذہب سے کوئی روایت نہ پائی تو اجتہاد کیا۔ یہ حضرات، حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ کے شاگرد یا ان کے شاگردوں کے شاگرد ہیں۔ جیسے ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ ان کا فتاویٰ کتاب النوازل ہے۔

فتویٰ میں ترتیب اقوال

اگر کسی مسئلہ میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر حنفی آئمہ کے اقوال مختلف ہوں تو کس قول پر فتویٰ دیا جائے گا؟ اس سلسلے میں علامہ شامی نے "فتاویٰ سراجیہ" سے نقل کیا ہے کہ مطلقاً فتویٰ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہوگا اس کی تفصیل میں وہ یوں ذکر کرتے ہیں:

ثم الفتوی علی الاطلاق علی قول ابی حنیفة ثم قول ابی یوسف ثم قول محمد ثم قول زفر و الحسن بن زیاد وقیل اذا کان ابو حنیفة فی جانب و صاحباہ فی جانب فالمفتی بالخیار والاول اصح اذالم یکن المفتی مجتهداً

(رسائل ابن عابدین ص26)

پھر فتویٰ مطلقاً حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہوگا اس کے بعد حضرت امام ابو یوسف پھر حضرت امام محمد اور اس کے بعد حضرت امام زفر اور حضرت حسن ابن زیاد رحمۃ اللہ علیہم کے قول پر کہا گیا ہے کہ جب حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ایک طرف ہوں اور صاحبین دوسری طرف تو مفتی کو

اختیار ہے لیکن پہلی بات زیادہ صحیح ہے جب کہ مفتی مجتہد ہو۔

اور اگر کسی مسئلے میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت نہ ملے تو حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ظاہر قول اور اس کے بعد حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ظاہر قول اور پھر حضرت امام زفر اور امام حسن رحمۃ اللہ علیہما کے ظاہر قول پر فتویٰ دیا جائے۔ (ایضا)

امام ابو حنیفہ کے قول پر عمل کی صورت

جیسے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مفتی دو قسم کے ہیں ایک حقیقی مفتی اور دوسرے وہ مفتیان کرام جن پر عرفاً مفتی کا اطلاق ہوتا ہے۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ان دونوں کے عمل اور فتویٰ کا طریق کار مختلف ہے اس سلسلے میں حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ ظہیریہ سے یوں نقل کرتے ہیں۔

"حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ ہمارے قول پر فتویٰ دے جب تک اسے یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اس کی دلیل کیا ہے اور اگر وہ اہل اجتہاد سے نہ ہو تو وہ صرف بطریق حکایت فتویٰ دے سکتا ہے۔

اس مسئلے پر حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ "اجلی الاعلام" میں نہایت معقول و مدلل بحث فرمائی ہے یہ رسالہ فتاویٰ رضویہ جلد اول (طبع جدید از رضا فاؤنڈیشن اندرون لوہاری دروازہ لاہور میں شامل ہے۔ ہزاروی)

مفتی کے لیے شرائط

حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے بہار شریعت میں افتاء کے مسائل کے عنوان سے مختلف کتب فقہ کے حوالے سے مفتی کے لیے کچھ شرائط کا ذکر کیا ہے۔ ان شرائط کا ایک اجمالی خاکہ درج ذیل ہے:

☆ مفتی ناقل، مفتی مجتہد کے قول کو مشہور و متداول کتب سے اخذ کرے۔

☆ فاسق سے فتویٰ پوچھنا جائز ہے اور نہ اس کے جواب پر اعتماد کیا جائے۔

☆ مفتی بیدار مغز ہو تاکہ لوگوں کو حیلہ سازی سے محفوظ رکھے۔

☆ مفتی پر لازم ہے کہ سائل (مستفتی) کے واقعہ کی تحقیق کرے اور نزاعی صورت میں فریقین

کو طلب کرے۔

☆ مفتی اگر چہ تحریری سوال کا تحریری جواب دے گا پھر بھی اس کی قوت سماعت صحیح ہونی چاہیے۔

☆ اگر چہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا قول مقدم ہے لیکن جہاں اصحاب فتویٰ اور اصحاب ترجیح نے کسی دوسرے قول پر فتویٰ دیا یا اس کو ترجیح دی تو اس کے مطابق فتویٰ دے۔

☆ مفتی کے لیے ضروری ہے کہ بردبار اور خوش خلق ہو، غلطی ہو جائے تو رجوع کرے نیز غم و غصہ کی حالت میں فتویٰ نہ دے۔

نوٹ: محض طلباء کرام کی راہنمائی کے لیے "رسم مفتی" سے متعلق چند سطور تحریر کر دی ہیں ورنہ اس مسئلہ پر کافی تفصیل کی گنجائش ہے۔ طلباء کرام سے گزارش ہے کہ وہ اس سلسلے میں امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ مبارکہ "اجلی الاعلام" علامہ شامی کے "رسائل ابن عابدین" اور فتاویٰ عالمگیری کے مقدمہ کا بالاستیعاب مطالعہ کریں۔

محمد صدیق ہزاروی

تعارف مؤلف علیہ الرحمۃ

نام ونسب

حضرت علامہ شیخ ابن نجیم کا اسم گرامی زین الدین ابن ابراہیم بن محمد (رحمۃ اللہ علیہم) ہے اور آپ ابن نجیم کے نام سے مشہور ہیں جو آپ کے کسی جد اعلیٰ کی طرف نسبت ہے آپ کی ولادت مصر کے دارالخلافہ قاہرہ میں 926ھ میں ہوئی اور قاہرہ میں ہی آپ کا وصال بھی ہوا۔

آپ کے اساتذہ

علامہ شیخ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ قاسم بن قطلوبغا، شیخ ابوالفیض سلمی، برہان کرکی، امین ابن عبدالعال حنفی شیخ شرف الدین بلقینی اور شیخ الاسلام احمد بن یونس رحمہم اللہ سے تحصیل علم کی سعادت حاصل کی اور علوم عربیہ (عقلیہ) ونقلیہ کے لیے ایک بہت بڑی جماعت کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا جن میں شیخ علامہ نورالدین دیلمی مالکی اور شیخ علامہ شقیر مغربی رحمہما اللہ بھی شامل ہیں۔

تدریس اور فتویٰ

آپ کے علمی شیخ مغربی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو افتاء اور تدریس کی اجازت دی اور آپ نے مشائخ (اساتذہ) کی موجودگی میں فتویٰ اور تدریس کی مسند کو رونق بخشی اور اس سلسلے میں بالخصوص احکام فقہیہ میں آپ کی فوقیت اور نجابت ظاہر ہوئی۔

آپ نے منہج تربیت اسلامی اپنے شیخ عارف باللہ سلیمان خضری رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ حضرت ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ کو مشکل مسائل کے حل کے لیے خاص ذوق مرحمت ہوا تھا جس میں آپ باقی لوگوں سے ممتاز تھے اور لوگ آپ سے بہت زیادہ متاثر تھے یوں آپ حسن فہم کی بنیاد پر دلوں پر حکومت کرتے تھے۔

آپ کے تلامذہ

آپ سے عام لوگوں بالخصوص علماء اور طلبائے علوم دینیہ نے بہت زیادہ نفع حاصل کیا چند

علاوہ دو کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

1۔ آپ کے بھائی عمر بن ابراہیم صاحب النہر
2۔ علامہ محمد غزی سرتمرتاشی صاحب التنویر
3۔ شیخ محمد علمی جو ابن ابی شریف المقدس کے نواسے ہیں اصل میں شامی تھے
4۔ عبد الغفار المفتی، جو قدس شریف کے مفتی تھے

آپ کی تالیفات

حضرت امام ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ کی تالیفات کا تعلق فقہ اور اصول فقہ سے ہے آپ نے اپنی تالیفات میں ایسا جدید طریقہ اختیار کیا جس میں آپ سے کسی کو سبقت حاصل نہ تھی آپ نے متون کی شرح بھی لکھی اور بڑی بڑی کتابوں کی تلخیص بھی کی لیکن ایسا اسلوب اختیار کیا جو دوسروں سے ممتاز تھے علاوہ ازیں آپ نے اسلامی فقہ میں فقہ حنفی کو نہایت عمدہ شکل میں پیش کیا اور درج ذیل کتب مرتب فرمائیں۔

1۔ کتاب "الاشباہ والنظائر" چونکہ یہ کتاب قواعد واصول فقہیہ کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے اس لیے فقہاء اور احناف میں اس کا شہرہ عام ہوا۔

2۔ علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف کنز الدقائق کی شرح بحر الرائق کے نام سے لکھی اور یہ نہایت جامع شرح ہے۔

3۔ الفوائد الزینیہ فی فقہ الحنفیہ۔ اس کتاب میں آپ نے ایک ہزار سے زائد قواعد جمع فرمائے۔

4۔ امام مرغینانی کی معروف کتاب "ھدایہ" پر "التعلیق علی الھدایہ" کے نام سے تعلیق لکھی۔

5۔ "الرسائل الزینیہ" یا "الفتاوی الزینیہ" یہ کتاب رسائل ابن نجیم کے نام سے معروف ہے اس میں واقعات فقہیہ سے متعلق فقہاء مذاہب کے اقوال درج کیے ہیں۔

اصول فقہ

علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے اصول فقہ میں دو کتابیں لکھیں۔

1۔ مختصر التحریر
2۔ شرح المنار

وصال

حضرت امام ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ کا وصال 970ھ میں قاہرہ میں ہوا اور حضرت سیدہ سکینہ رضی اللہ عنہا کے مزار مقدس کے قریب آپ کو دفن کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی قبر پر انوار پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین

نوٹ: راقم محمد صدیق ہزاروی کو 2005ء میں جامعہ ازہر میں تدریب الائمہ کورس میں شرکت کے دوران حضرت سیدہ سکینہ رضی اللہ عنہا کے مزار مقدس پر حاضری کا شرف حاصل ہوا و للہ الحمد

نوٹ

مؤلف علیہ الرحمۃ کا یہ تعارف عربی کتاب میں تحریر ہے۔ راقم نے اس کا ترجمہ کیا۔

حوالہ جات

1- شذرات الذهب لابن العماد حنبلی (358/8)

2- الكواكب السائرة (154/3)

محمد صدیق ہزاروی

قواعد کلیہ

قاعدہ نمبر 1

لاثواب الابالنیۃ (نیت کے بغیر ثواب نہیں ملتا)

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انما الاعمال بالنیات (صحیح بخاری جلد اول) (اعمال کے (حکم) کا دار و مدار نیت پر ہے)

علماء کرام فرماتے ہیں۔

یہ حدیث اقتضاء النص کے قبیل سے ھے کیونکہ تقدیر عبارت کے بغیر اس کا مفہوم صحیح نہیں اس لیے کہ بے شمار کام ایسے ہیں جو نیت کے بغیر درست ہوتے ہیں۔

لہٰذا یہاں مضاف مقدر ہوگا یعنی "حکم الاعمال" اعمال کا حکم نیت کے بغیر ثابت نہیں ہوتا۔

حکمِ اعمال کی اقسام

اعمال کا حکم دو قسموں پر مشتمل ہے۔(1) اخروی حکم (2) دنیوی حکم

اخروی حکم کی دو قسمیں ہیں (1) ثواب (2) عقاب

دنیوی حکم کی بھی دو صورتیں ہیں (1) صحت (2) فساد

اس بات پر اجماع ھے کہ اس میں اُخروی حکم مراد ھے کیونکہ اس بات پر بھی اجماع ھے کہ ثواب اور عقاب نیت کے بغیر نہیں ہوتا لہٰذا دوسرے معنی یعنی دنیوی حکم کی نفی ہوگئی کہ وہ یہاں مراد نہیں اس کی وجہ یہ ھے کہ حکم مشترک ہے، اس میں عموم نہیں (اور مشترک میں ایک معنیٰ ہی مراد ہوسکتا ہے)

دوسری وجہ یہ ھے کہ کلام کی صحت کے لیے اُخروی حکم مراد لینے سے ضرورت پوری ہو جاتی ھے لہٰذا دنیوی حکم مراد لینے کی ضرورت نہیں دوسری وجہ زیادہ مناسب ھے کیونکہ پہلی وجہ کو مخالف فریق نہیں مانتا کیونکہ ان کے نزدیک یہ عموم مشترک ہے۔

حاصل کلام

مندرجہ بالا گفتگو کے نتیجے میں ثابت ہوا کہ اس حدیث میں اس بات پر دلالت نہیں کہ وسائل (وضو وغیرہ) میں نیت شرط ہو کیونکہ ان کا حکم دنیوی ہے۔

عبادات میں نیت کی شرط

عبادات میں نیت کی شرط پر اجماع ہے بعض حضرات نے عبادات میں نیت کی شرط کے سلسلے میں اس آیت سے استدلال کیا ہے۔

وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین (سورۃ البینہ آیت ۵)

اور ان کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کریں کہ اس کے لیے نیت کو خالص کریں۔

لیکن کہا گیا کہ یہاں عبادت سے مراد توحید ہے کیونکہ اس پر نماز اور زکوۃ کا عطف ہے (اور معطوف اور معطوف علیہ میں مغائرت ہوتی ہے) لہٰذا اجماع والی دلیل زیادہ مناسب ہے۔

جہاں نیت شرط نہیں

وضو، غسل، موزوں پر مسح، کپڑوں، بدن، مکان اور برتنوں سے نجاست حقیقیہ کو دور کرنے کے لیے نیت شرط نہیں۔ یہ اعمال نیت کے بغیر صحیح ہوتے ہیں کیونکہ یہ عبادت نہیں بلکہ اس کا وسیلہ ہیں۔ البتہ حصولِ ثواب مقصود ہو تو نیت ضروری ہوگی اس کے بغیر ثواب نہیں ملے گا۔

تیمم کا مسئلہ

تیمم میں نیت شرط ہے حالانکہ یہ بھی عبادت کا وسیلہ ہے عبادت مقصودہ نہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ تیمم کا معنیٰ قصد کرنا ہے اور آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے ارشاد ربانی ہے:

"فتیمموا صعیداً طیبا" (پاک مٹی کا قصد کرو) (سورۂ نساء: آیت 43)

میت کا غسل

میت کو غسل دیتے ہوئے اس بات کے لیے نیت شرط نہیں کہ اس کے بغیر نماز جنازہ صحیح نہیں ہوگی یا [illegible] فرض [illegible] ساقط ہو جائے

(یعنی میت کو غسل دینا ان پر فرض ہے)

عبادات میں نیت کی شرط

تمام عبادات کی صحت کے لیے نیت شرط ہے البتہ اسلام قبول کرنے کے لیے نیت شرط نہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ مکرَہ (جسے اسلام پر مجبور کیا گیا) کا اسلام قبول ہوتا ہے اور کفر کے لیے نیت شرط ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ مکرَہ کا کفر صحیح نہیں ہوتا۔

سوال: مذاق میں کلمہ کفر کہنے والے کا کفر ثابت ہوتا ہے حالانکہ اس کی نیت نہیں ہوتی معلوم ہوا کہ کفر کے لیے نیت شرط نہیں؟

جواب: مذاق میں کلمہ کفر کہنا بذات خود کفر ہے لہٰذا نیت کی ضرورت نہیں ہوتی۔

نماز میں داخل ہونے اور نکلنے کے لیے نیت کا مسئلہ

نماز میں داخل ہونے کے لیے نیت ضروری ہے وہ نماز فرض ہو یا کوئی دوسری نماز نفل وغیرہ۔

لیکن جب نماز سے نکلنا چاہے تو محض نکلنے کی نیت سے خارج نہیں ہوگا بلکہ کوئی ایسا عمل پایا جانا ضروری ہے جو نماز کے منافی ہے۔

مقتدی کے لیے امام کی نیت

امام کی اقتداء کے لیے نیت ضروری ہے لیکن امام کے لیے ضروری نہیں کہ وہ مقتدیوں کی نیت کرے البتہ جب امام کے پیچھے خواتین ہوں تو امام پر لازم ہے کہ ان کی نیت کرے بعض علماء کرام نے جمعہ اور عیدین کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے اور یہی صحیح ہے (یعنی ان اجتماعات میں امام پر عورتوں کی نیت کرنا لازم نہیں)

چند دیگر عبادات

سجدہ تلاوت، سجدہ شکر، سجدہ سہو، جمعہ اور عیدین کے خطبہ کے صحیح ہونے کے لیے نیت شرط ہے۔

اذان کے صحیح ہونے کے لیے نیت شرط نہیں ثواب کے حصول کے لیے شرط ہے صحیح قول کے مطابق قبلہ رُخ ہونے کے لیے نیت شرط نہیں ستر عورت کے لیے بھی نیت شرط نہیں۔

ثواب اور صحت عبادت

ثواب کے لیے عبادت کا صحیح ہونا شرط نہیں بلکہ نیت پر ثواب ملتا ہے اس لیے جس کی نماز اس کے قصد و ارادہ کے بغیر فاسد ہو جائے تو اسے نیت کی وجہ سے ثواب ملے گا مثلاً کسی شخص نے بے وضو نماز پڑھی حالانکہ اس کا خیال تھا کہ وہ باوضو ہے تو نماز فاسد ہو گی لیکن اسے ثواب ملے گا۔

زکوٰۃ اور نیت

زکوٰۃ کی ادائیگی نیت کے بغیر صحیح نہیں ہوتی البتہ اگر تمام نصاب صدقہ کرے تو نیت کے بغیر بھی فرض ساقط ہو جائے گا۔ اگر سامان ہو تو تجارت کے نیت ضروری ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ تجارت کا عمل بھی لازم ہے ہبہ، صدقہ، خلع، مہر اور وصیت کے لیے بھی نیت ضروری ہے۔

روزہ اور نیت

روزہ فرض، سنت اور نفل سب کے لیے نیت ضروری ہے اس کے بغیر روزہ صحیح نہیں ہوگا (باقی تفصیل آگے آرہی ہے)

حج اور عمرہ

حج فرض ہو یا نفل اس کے صحیح ہونے کے لیے نیت شرط ہے عمرہ کا بھی یہی حکم ہے البتہ عمرہ صرف سنت ہوتا ہے حج کی نذر مانے تو اس کا حکم فرض کی طرح ہے۔

اعتکاف اور کفارات کے لیے نیت

اعتکاف واجب ہو یا سنت یا نفل سب کی صحت کے لیے نیت ضروری ہے اور کفارات کے صحیح ہونے کے لیے بھی نیت شرط ہے وہ غلام آزاد کرنے کی صورت میں ہو یا روزوں یا کھانا کھلانے کی صورت میں ہو۔

قربانی اور نیت

قربانی ضحایا ہو یعنی جو عام مسلمان کرتے ہیں یا بدایا ہو جو قربانی حاجی صاحبان کرتے ہیں ان میں نیت ضروری ہے لیکن [illegible]

غلام آزاد کرنا اور وصیت کرنا

غلام آزاد کرنے کے لیے نیت شرط نہیں کیونکہ یہ بنیادی طور پر عبادت نہیں یہی وجہ ھے کہ کفار بھی غلام آزاد کر سکتے ہیں مدبّر یا مکاتب وغیرہ بنانے کا بھی یہی حکم ہے۔

وصیت کا بھی یہی حکم ھے کہ اس کی صحت کے لیے نیت شرط نہیں قرب الٰہی کے حصول کے لیے نیت کرے تو ثواب ملے گا۔

طلاق اور نیت

صریح طلاق میں نیت کی حاجت نہیں البتہ یہ فرق ھے کہ بطور قضاء طلاق صریح نیت کی محتاج نہیں دیانتاً یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں نیت کی محتاج ھے یہی وجہ ھے کہ خطاء سے دی گئی یا طلاق کا لفظ بول کر گرہ کھولنا مراد لے تو عند اللہ طلاق نہیں ہوتی۔

سوال: بطور مذاق طلاق دی گئی تو وہ نافذ ہو جاتی ھے حالانکہ وہاں نیت نہیں ہوتی یہ طلاق قضاءً اور دیانتاً دونوں طرح ہو جاتی ہے۔

جواب: اس کی وجہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ھے کہ آپ نے مذاق میں طلاق کو سنجیدگی کی طرح قرار دیا ہے۔

نوٹ: اگر کنایہ لفظ استعمال ہو تو طلاق کی نیت ضروری ھے البتہ مذاکرہ طلاق میں کنایہ لفظ استعمال کرے تو نیت کی ضرورت نہیں ہوتی مذاکرہ طلاق نیت کے قائم مقام ہوتا ہے۔

قاعدہ نمبر 2

الامور بمقاصدھا (امور اپنے مقاصد کے مطابق ہوتے ہیں)

یعنی کسی کام سے جو قصد کیا وہی مراد ہوگا اور اس کے مطابق حکم ہوگا مثلاً انگور کا رس کسی شخص پر فروخت کیا جو شراب بناتا ھے اگر اس کا ارادہ اسے فروخت کرنے کا ھے تو جائز ھے اور اگر شراب بنانا مقصود ھے تو حرام ہے۔

عورت کے لیے خاوند کے علاوہ کسی عزیز کے فوت ہونے پر تین دن سے زیادہ ترک زینت (یعنی سوگ) حرام ھے لہٰذا اگر وہ تم[illegible] ... [illegible] کر دیکھا

جائے گا اگر وہ سوگ کے لیے کرے تو گناہ گار ہوگی ورنہ نہیں۔ اسی طرح نمازی جب کسی کے جواب میں نماز میں کوئی آیت پڑھے تو نماز ٹوٹ جائے گی ورنہ نہیں مثلاً کسی کے فوت ہونے کی خبر ملی اور اس نے نماز میں ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھا تو نماز باطل ہوگی اور اگر محض قرأت کے طور پر پڑھے تو نماز باطل نہیں ہوگی۔

امام قاضی خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر شراب فروخت کرنے والا شراب کا برتن کھولتے ہوئے ''صلی اللہ علی سیدنا محمد'' پڑھے تو گناہ گار ہوگا لیکن جب کوئی عالم مجلس میں کہے ''صلوا علی النبی'' تو اسے ثواب ملے گا۔

اس کی بے شمار مثالیں ہیں اور اس قاعدہ کا تعلق بھی نیت کے ساتھ ہے۔

ابحاثِ نیت

(1) نیت کی حقیقت

لغوی معنیٰ

لغت میں نیت قصد (ارادہ) کو کہتے ہیں جیسا کہ قاموس میں ہے نوی الشی ینویۃ نیۃ (مشدّد اور مخفف دونوں طرح) قصدہٗ۔

اصطلاحی شرعی تعریف

توضیح میں ہے: ''قصد الطاعۃ والتقرب الی اللہ تعالیٰ فی ایجاد الفعل''۔ کسی فعل کو بروئے کار لاتے ہوئے فرمانبرداری اور قرب خداوندی کا قصد کرنا۔

اعتراض: یہ تعریف کسی عمل کو ترک کرنے پر صادق نہیں آتی کیونکہ اس میں فعل کے کرنے کا ذکر ہے۔

جواب: ترک کرنے کی دو صورتیں ہیں (1) الکف (رُک جانا) اور یہ فعل ہے (2) عدم (کسی چیز کا نہ ہونا) دوسری صورت انسانی قدرت میں نہیں آتی اور پہلی صورت میں تقرب پایا جاتا ہے کیونکہ جب (برے کام سے) قرب خداوندی کے لیے رُکے گا تو یہ تقرب بھی ہے اور فعل بھی۔ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں تعریف کی ہے۔

بانھا (ان النیۃ) شرعا الارادۃ المتوجھۃ نحو الفعل ابتغاء لوجہ اللہ تعالیٰ

وامثالہ لحکمہ

شرعی طور پر نیت اس ارادہ کا نام ہے جو ایسے فعل کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اس کے حکم کی تعمیل کے لیے کیا جاتا ہے آپ فرماتے ہیں۔

لغت میں نیت یہ ہے "انبعاث القلب نحو ما یراہ موافقا لغرض من جلب نفع اور دفع ضر حالا او مالا"

دل کا اس چیز کی طرف مائل ہونا جسے وہ کسی غرض کے موافق دیکھتا ہے وہ نفع کا حصول ہو یا دفع ضرر ہو حال میں یا مستقبل میں۔

(2) نیت کی مشروعیت کا باعث

علماء کرام فرماتے ہیں نیت کی مشروعیت کا باعث یہ ہے کہ عبادات کو عادات سے اور بعض عبادات کو بعض سے ممتاز کیا جائے۔

مثال نمبر 1

جس طرح روزہ توڑنے والی چیزوں سے رُک جانا کیونکہ ان سے بعض اوقات پرہیز کے طور پر اجتناب کیا جاتا ہے یا بطور علاج ان سے رُکتے ہیں یا ان کی حاجت نہیں ہوتی (مثلاً بھوک اور پیاس نہیں ہوتی تو کھانے پینے سے رُکتے ہیں تو ان صورتوں میں روزہ نہیں ہوگا کیونکہ روزے کی نیت نہیں)

مثال نمبر 2

مسجد میں بیٹھنا کبھی آرام کرنے کے لیے ہوتا ہے (یہ بیٹھنا عبادت نہیں عبادت تب ہے جب نماز کے انتظار کی نیت ہو۔ 12 ہزاروی)

مثال نمبر 3

جب کوئی شخص مال دیتا ہے تو کبھی وہ ہبہ ہوتا ہے یا دنیوی غرض کے تحت دیتا ہے اور کبھی قرب خداوندی مطلوب ہوتا ہے جیسے زکوٰۃ اور صدقہ (تو امتیاز نیت سے ہوتا ہے)

مثال نمبر 4

جانور ذبح کرنا کبھی کھانے کے لیے ہوتا ہے تو مباح ہوگا یا مستحب ہوگا اور کبھی قربانی کی غرض سے ذبح کیا جاتا ہے تو یہ عبادت ہے۔ کبھی کسی امیر (حکمران) کے آنے پر ذبح کیا جاتا ہے تو حرام ہے۔

تقرب کی اقسام

تقرب الی اللہ کبھی فرض ہوتا ہے کبھی نفل اور کبھی واجب ہوتا ہے تو ان میں امتیاز کے لیے نیت مشروع کی گئی۔

کن امور میں نیت شرط نہیں

جو عمل خالصتاً عبادت ہے اس میں کسی اور چیز کی ملاوٹ نہیں اس میں نیت شرط نہیں۔ مثلاً ایمان، معرفت خداوندی، خوف خدا، امید، نیت، قرأت قرآن اور اذکار (میں نیت شرط نہیں) کیونکہ یہ خود ممتاز ہیں کسی اور کے ساتھ ملاوٹ نہیں خود نیت بھی نیت کی محتاج نہیں۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح بخاری میں فرمایا کہ اس بات پر اجماع ہے کہ تلاوت، اذکار اور اذان نیت کے محتاج نہیں۔

(3) منوی کی تعیین اور عدم تعیین

منوی (جس عمل کی نیت کی جارہی ہے) اس کی دو صورتیں ہیں۔

(1) عبادت (2) غیر عبادت

اگر عبادت ہو تو اس کے لیے وقت کی تین حالتیں ہیں۔

1۔ ظرف: مؤدّی (جسے ادا کیا جارہا ہے) کے لیے وقت کے ظرف ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ اس وقت میں اس مؤدّی کے علاوہ کے لیے بھی گنجائش ہے، اس صورت میں اس عبادت کی تعیین ضروری ہے مثلاً نماز ہے اگر وہ ظہر کے فرض ادا کر رہا ہے تو نیت میں ظہر کا ذکر ضروری ہوگا مطلق ظہر کہے یا آج کی نماز ظہر کہے دونوں طرح ٹھیک ہے۔ (کیونکہ وقت میں ظہر کی نماز کے علاوہ بھی گنجائش ہے)

دیگر فرض نمازوں کا بھی یہی حکم ہے۔ اسی طرح لفظ وقت بھی استعمال کیا جا سکتا ہے مثلاً ''ظہر الوقت'' اسی طرح عصر، مغرب وغیرہ یا فرض الوقت کہے۔

نوٹ: جمعہ کی نماز کے لیے فرض الوقت نہ کہے کیونکہ اصل میں اس وقت کی فرض نماز، نماز ظہر ہے البتہ جو حضرات اس وقت کی فرض نماز، نماز جمعہ کو قرار دیتے ہیں جیسے حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے تو وہ حضرات نماز جمعہ کی نیت میں ''فرض الوقت'' کہہ سکتے ہیں۔

علامتِ تعیین

چونکہ نیت دل کے ارادے کا نام ہے اس لیے تعیین کے لیے کوئی علامت ہونا ضروری ہے تو اس کی علامت یہ ہے کہ جب نمازی سے پوچھا جائے کہ وہ کونسی نماز پڑھ رہا ہے تو وہ فوری طور پر کسی تأمل کے بغیر بتادے کہ وہ فلاں نماز پڑھ رہا ہے۔

2۔ وقت مؤدّی کے لیے معیار ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت میں صرف وہی عبادت ہو سکتی ہے اس جنس کی دوسری عبادت کی گنجائش نہیں جیسے روزہ ہے کہ ایک دن میں ایک ہی روزہ ہو سکتا ہے دن بڑا ہو یا چھوٹا۔

تو اس میں تعیین شرط نہیں ہے۔

روزے کی نیت

اگر روزہ دار صحیح مقیم ہو تو مطلق روزے کی نیت سے روزہ صحیح ہوگا (رمضان کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں) اسی طرح نفل کی نیت کرے یا کسی دوسرے واجب (مثلاً نذر یا قضاء) کی نیت کرے تو بھی ماہ رمضان کا روزہ ہی ہوگا (کیونکہ یہ وقت شارع کی طرف سے متعین ہے) اور روزہ دار کی تعیین لغو ہو جائے گی۔

اگر روزہ دار مریض ہو تو دو روایتیں ہیں صحیح یہ ہے کہ اگر وہ نفل یا کسی واجب کی نیت بھی کرے تو رمضان المبارک کا روزہ ہی ہوگا (1) مسافر اگر کسی اور واجب کی نیت کرے تو اس کا روزہ اسی واجب کی ادائیگی ہوگی ماہ رمضان کا روزہ نہیں ہوگا اور نفلی روزہ کے بارے میں دو روایتیں ہیں اور صحیح یہ ہے کہ وہ رمضان کا ہی روزہ ہوگا۔

3۔ وقت، مؤدّی کے لیے مشکل ہو، یعنی وہ ظرف کے بھی مشابہ ہو اور معیار کے بھی، اس کی مثال "حج" ہے۔

حج کا وقت (دو مہینے دس دن) اس اعتبار سے ظرف کے مشابہ ہے کہ حج کی ادائیگی سے کافی

1۔ کیونکہ مریض کو رخصت اس لیے دی تھی کہ وہ بیماری میں روزہ رکھ نہیں سکتا تو جب نفلی روزہ رکھ رہا ہے تو معلوم ہوا کہ وہ روزہ رکھ سکتا ہے لہٰذا وہ ماہ رمضان کا ہی روزہ ہوگا۔ (12 ہزاروی)

وقت بچ جاتا ھے جیسے ظہر کی نماز سے ظہر کا کافی وقت بچ جاتا ھے اور اس اعتبار سے معیار کے مشابہ ھے کہ ایک موسم حج میں صرف ایک ہی حج ہوتا ہے۔

لہٰذا اس میں تعیین ضروری نہیں اور معیاریت کے پیش نظر مطلق نیت سے ادا ہو جاتا ھے اور ظرفیت کو دیکھتے ہوئے اگر نفل کی نیت کرے گا تو نفل ہی ہوگا جیسے نفل نماز کی نیت سے نفل نماز ہی ہوتی ھے۔

نوٹ (1): اگر نماز کا وقت تنگ ہو جائے تو بھی تعیین ساقط نہیں ہوگی کیونکہ وقت میں گنجائش اس اعتبار سے باقی ھے کہ اگر وہ اس وقت میں نفل شروع کرے تو صحیح ھے اگرچہ ایسا کرنا (یعنی فرض نماز کو چھوڑ کر نفل پڑھنا) حرام ہے۔

نوٹ (2): وقت کے اجزاء میں سے کوئی جزء بندے کے زبان کے ساتھ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتی بلکہ وہ فعل سے متعین ہوتی ھے (1) جس طرح کوئی شخص قسم میں حانث ہو جائے تو کفارہ کی مختلف صورتوں میں سے کوئی صورت قول سے نہیں بلکہ فعل سے متعین ہوتی ہے۔ (2)

قضاء میں تعیین

مذکورہ بالا بحث ادا سے متعلق ھے قضاء میں تعیین ضروری ھے وہ نماز ہو یا روزہ یا حج ہو اگر قضاء نمازیں یا روزے زیادہ ہوں تو اگر ایک ہی رمضان کی قضاء ھے تو قضاء کی نیت سے روزہ رکھے اور یہ نیت نہ کرے کہ یہ فلاں دن کا روزہ ھے تو یہ جائز ہے۔

قضاء نمازوں کی دو صورتیں ہیں۔

1۔ دن اور وقت کا تعین کرنا جیسے فلاں دن کی ظہر کی نماز۔

2۔ سب سے پہلی یا سب سے پچھلی نماز ظہر جو اس کے ذمہ ھے جس شخص کو فوت شدہ نمازوں کے اوقات کا علم نہ ہو یا شبہ ہو تو اس کے لیے دوسرا طریقہ آسان ہے۔

تیمم میں اس طرح کی نیت کرنا واجب نہیں کہ حدث (بے وضو ہونے) اور جنابت کے لیے

1۔ مثلاً ظہر کے وقت کو دس دس منٹ کے کئی اجزاء پر تقسیم کریں تو جس جزء میں ادا کرے گا وہ اس ادائیگی سے متعین ہوگی اگر وہ زبان سے کہے کہ میں سوا دو بجے ادا کروں گا تو وہ جزء متعین نہیں ہوگی۔ (12 ہزاروی)

2۔ روزے کا کفارہ غلام آزاد کرنا، دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا کپڑے دینا ھے ان تینوں میں اختیار ھے یہ نہ ہوں تو تین روزے [illegible]

تیمم میں امتیاز کیا جائے کیونکہ دونوں کے لیے یعنی حدث اور جنابت دونوں کے خاتمہ کے لیے تیمم ایک ہی ہوتا ہے۔

ضابطہ

تعیین کی نیت، مختلف اجناس میں امتیاز کے لیے ہوتی ھے لہٰذا ایک جنس میں تعیین کی نیت لغو ھے کیونکہ بے مقصد ہے۔

اختلاف جنس کی پہچان

اختلاف جنس کا علم، سبب کے اختلاف سے حاصل ہوتا ہے۔ نمازوں کی جنس مختلف ھے حتیٰ کہ دو دنوں کی دو ظہر اور دو دنوں کی دو عصر (کی نمازیں) مختلف جنس سے تعلق رکھتی ہیں لیکن رمضان کے تمام ایام ایک مہینہ میں جمع ہوتے ہیں لہٰذا وہاں جنس مختلف نہیں۔

نتیجہ۔ (فرع)

اگر کسی شخص کے ذمہ ایک متعین دن کا روزہ ہو اور وہ کسی اور دن کے روزہ کی نیت کرے مثلاً پانچ رمضان کا روزہ اس کے ذمہ ہو اور وہ دس رمضان کی نیت کرے تو جائز ھے اسی روزہ کی قضاء ہوگی جو اس کے ذمہ ہے۔

لیکن دو رمضانوں کی نیت کرے تو جائز نہیں کیونکہ دونوں کا سبب الگ ھے لہٰذا جنس میں اختلاف ہے۔

جیسے دو ظہروں کی اکٹھی نیت کرے یا عصر کی جگہ ظہر کی نیت کرے یا ہفتہ کی نماز ظہر کی نیت کرے اور اس کے ذمہ جمعرات کی نماز ظہر ہو تو جائز نہیں کیونکہ اختلاف سبب کی وجہ سے جنس مختلف ہے۔

سجدہ تلاوت میں تعیین ضروری نہیں کہ فلاں آیت سجدہ کا سجدہ ہے۔

نوافل مطلق نیت سے ادا ہو سکتے ہیں وقت کی تعیین ضروری نہیں اس پر علماء کا اتفاق ہے۔

سنت موکدہ میں تعیین کی شرط میں اختلاف ھے قابل اعتماد اور صحیح بات یہ ھے کہ ان میں تعیین شرط نہیں بلکہ سنت موکدہ نفل کی نیت اور مطلق نیت سے بھی ادا ہو جاتی ہیں۔

مسئلہ متفرعہ

اگر کسی شخص نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ ابھی رات باقی ہے، تہجد کی نیت سے دو رکعتیں پڑھیں بعد میں پتہ چلا کہ فجر طلوع ہو گئی ہے تو صحیح قول کے مطابق وہ صبح کی سنتیں شمار ہوں گی۔

دوسرا مسئلہ

سنت موکدہ میں تعیین کی شرط نہ ہونے کی ایک اور مثال:

اگر ایسی جگہ جہاں نماز جمعہ کے صحیح ہونے میں شک ہو نماز جمعہ (فرض) کے بعد چار رکعتیں اس نیت سے پڑھے کہ جو ظہر کی آخری یا پہلی نماز اس کے ذمہ ہے حالانکہ اس کے ذمہ کوئی نماز نہ تھی اور یہ بات بھی ظاہر ہو جائے کہ یہاں جمعہ کی نماز درست ہے تو یہ چار رکعتیں جمعہ کی سنتیں ہوں گی۔

(سنن مُوَکَّدَہ)

سنت موکدہ دن اور رات میں بارہ ہیں (یعنی فجر سے عشاء تک)

فجر سے پہلے دو رکعتیں، ظہر سے پہلے چار اور ظہر کے بعد دو رکعتیں، مغرب کے بعد دو رکعتیں عشاء کے بعد دو رکعتیں، نماز جمعہ سے پہلے چار اور بعد میں چار رکعتیں (اور دو رکعتیں) عشاء کے بعد نماز تراویح بیس رکعتیں دس سلاموں کے ساتھ (یہ ماہ رمضان کی راتوں میں ہے) صاحبین کے قول پر نماز وتر (امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز وتر واجب ہے)

ایک روایت کے مطابق عیدین کی نماز (بھی سنت موکدہ ہے، صحیح قول کے مطابق واجب ہے) صحیح قول کے مطابق سورج گرہن کی نماز سنت موکدہ ہے ایک قول کے مطابق واجب ہے ایک قول کے مطابق چاند گرہن کی نماز اور نماز استسقاء سنت موکدہ ہے۔

غیر موکدہ سنتیں یا مستحب نماز

عصر سے پہلے چار سنتیں، عشاء سے پہلے چار سنتیں اور ظہر کی دو رکعتوں (سنت موکدہ) کے بعد دو رکعتیں، عشاء کی دو سنتوں کے بعد (یعنی سنت موکدہ کے بعد) دو رکعتیں، مغرب کی دو سنتوں (موکدہ) کے بعد چھ رکعتیں، سنت وضو اور تحیۃ المسجد (یہ سب سنت غیر موکدہ اور مستحب نماز ہے)

نوٹ: مسجد میں داخل ہونے کے بعد جو نماز پڑھے وہ تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہو جائے گی بعض نے کہا کہ بیٹھنے کے بعد یہ دو رکعتیں پڑھی جائیں اس طرح جو بھی فرض یا نفل پڑھے وہ احرام کی دو رکعتوں کے قائم ہو جاتی ھے چاشت کی نماز جو کم از کم چار اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعتیں ہیں، نماز حاجت اور نماز استخارہ یہ سب نفل اور مستحب نماز ہے۔

تعیین میں خطاء کا ضابطہ

جن عبادات میں تعیین شرط نہیں ان میں خطاء نقصان دِہ نہیں ھے جیسے نماز کے لیے جگہ، وقت اور رکعات کا تعین (شرط نہیں) اگر ظہر کی نماز میں تین یا پانچ رکعات کے نیت کرے (اور چار پڑھے) تو نماز صحیح ہو جائے گی اور تعیین کی نیت لغو ہو جائے گی۔

اسی طرح ادا کا امین کیا پھر ظاھر ہوا کہ وقت نکل چکا ھے یا قضاء کی نیت کی پھر معلوم ہوا کہ وقت باقی ھے تو نماز درست ہوگی۔

لیکن جن عبادات میں تعیین شرط ھے مثلاً روزے کی جگہ نماز کی نیت یا اس کے برعکس، اسی طرح ظہر کی جگہ عصر کی نیت ہو تو یہ نقصان دہ ہے۔

اسی طرح اس نے جمعرات کے روزے کی نیت کی اور وہ کوئی اور دن تھا تو جائز نہیں اگر اس نے محض قضاء کی نیت کی اور وہ اس دن کو جمعرات خیال کرتا تھا جب کہ وہ کوئی دوسرا دن تھا تو یہ جائز ہے۔

تیمم کا مسئلہ

مسجد میں داخل ہونے یا اذان یا اقامت کی نیت سے تیمم کیا تو اس سے نماز نہیں پڑھ سکتا کیونکہ یہ امور (جن کے لیے تیمم کیا) عبادت مقصودہ نہیں یہ دوسرے کے تابع ہیں۔

قرأت قرآن کے لیے تیمم کیا تو اس میں دو روایتیں ہیں ہیں عام علماء کے نزدیک اس سے نماز پڑھ سکتے ہیں۔

چوتھی بحث

منوی کی صفت مثلاً فرض، نفل، ادا اور قضاء کی تعیین

نماز

فرض نماز میں فرض کی نیت کرنا ضروری ہے یعنی اس میں تین نیتیں ضروری ہیں نماز کی نیت، وقت کی نیت اور فرض کی نیت۔

واجب نماز، فرض نماز کی طرح ہے یعنی اس میں بھی واجب کی تعیین ضروری ہے محض نماز کی نیت کافی نہیں۔

نوافل (سنت غیر موکدہ ہوں یا عام نوافل) اور سنت موکدہ دونوں طرح صحیح ہیں، مطلق نماز کی نیت کرے یا امتیازی نیت کرے یعنی سنت موکدہ یا نفل کی نیت کرے۔

روزہ

ماہ رمضان کا روزہ جب ادا ہو (قضاء نہ ہو) تو اس کے لیے فرضیت کی نیت ضروری نہیں لہٰذا مطلق روزہ کی نیت ہو یا رمضان المبارک کی نیت ہو دونوں طرح جائز ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اگر شک کی رات شعبان کے آخری دن کے روزے کی نیت کرے پھر ظاہر ہو جائے کہ یہ رمضان المبارک کا دن تھا تو وہ روزہ رمضان کا ہوگا اور یہ نیت کافی ہوگی۔

زکوٰۃ

زکوٰۃ کی ادائیگی میں فرضیت کی نیت ضروری ہے کیونکہ صدقات کی کئی اقسام ہیں لہٰذا فرضیت کی نیت سے زکوٰۃ دوسرے صدقات سے ممتاز ہوگی۔

حج

اگر کسی شخص کے ذمہ فرض حج ہو اور وہ نفل کی نیت کرے تو وہ نفل ہی ہوگا لہٰذا حج میں فرضیت کی نیت ضروری ہے۔

کفارات

کفارات میں فرضیت کی نیت ضروری ہے اسی لیے فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ کفارہ اور قضائے رمضان کے روزوں میں رات کے وقت نیت ضروری ہے کیونکہ (ماہ رمضان کے علاوہ) تمام دن (جن میں روزہ ممنوع نہیں) نفلی روزے کی صلاحیت رکھتے ہیں اس لیے روزے کی صفت (کفارہ یا قضاء) کی تعیین ضروری ہے۔

وضواور غسل

وضواور غسل میں فرضیت کی نیت ضروری نہیں کیونکہ یہ وسائل سے ہیں (عبادت مقصودہ نہیں) بلکہ ان میں نیت شرط نہیں لہٰذا اس بحث کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں۔

تیمّم

تیمم میں محض رفع حدث (ناپاکی کو دور کرنے) کی نیت کافی ہے فرضیت کی نیت شرط نہیں کیونکہ یہ وسائل سے ہے اس میں مطلق نیت ضروری ہے اور اس کی وجہ پہلے بیان ہو چکی ہے۔

ادااور قضاء کی نیت

یعنی ادااور قضاء کی تعیین کی نیت کرنا۔

اس سلسلے میں تفصیل یہ ہے کہ بعض عبادات اداء اور قضاء سے موصوف نہیں ہوتیں ان میں ادا و قضاء کی تعیین شرط نہیں جیسے وہ عبادات جو مطلق عن الوقت ہیں ان میں وقت کی قید نہیں جیسے زکوٰۃ، صدقہ فطر، عشر، خراج اور کفارات، اسی طرح جن عبادات کی قضاء نہیں جیسے نماز جمعہ اور عیدین اور دوسری نماز سے التباس بھی نہیں ہوتا لہٰذا ان میں بھی ادا کی نیت ضروری نہیں۔

لیکن جو نمازیں ادا بھی ہوتی ہیں اور قضاء بھی جیسے پانچ نمازیں تو علماء کرام فرماتے ہیں ان میں بھی یہ نیت ضروری نہیں کیونکہ ادا نماز قضاء کی نیت سے اور قضاء نماز ادا کی نیت سے جائز ہے۔

پانچویں بحث (اخلاص)

اخلاص ہر عبادت کی جان ہے لہٰذا نماز ہو یا دیگر عبادت اخلاص کے ساتھ ادا کرنی چاہئیں اور ریاکاری نہیں ہونی چاہیے۔

بزازیہ میں ھے کہ کسی شخص نے اخلاص کے ساتھ نماز شروع کی پھر اس میں ریاکاری شامل ہوگئی تو سابق کا اعتبار ھے اور وہ اخلاص ھے بہر حال فرائض میں ریاکاری بھی ہو تو واجب ساقط ہو جاتا ھے گویا ریا اور اس کے عدم کا تعلق فرض کی ادائیگی اور عدم ادائیگی سے نہیں بلکہ قبولیت اور ثواب سے ہے۔

چھٹی بحث دو عبادتوں کو جمع کرنا

اس کا مطلب یہ ھے کہ ایک ہی نیت میں دو عبادتوں کو جمع کیا جائے اس کی دو صورتیں ہیں۔

(1) وسائل میں (2) مقاصد (عبادات مقصودہ) میں

وسائل میں دو نیتوں کو جمع کرنا صحیح ھے مثلاً جمعہ کے دن، غسل جمعہ اور رفع جنابت کے لئے غسل دونوں کی نیت سے غسل کیا جائے تو صحیح ہے۔

مقاصد میں تفصیل ہے۔

دو فرضوں کی نیت کی جائے یا فرض اور نفل کی، پہلی صورت میں دیکھا جائے دو نیتوں کا جمع کرنا نماز میں ہوگا یا دوسری عبادات میں، اگر نماز میں ایسا کرے (مثلاً ظہر اور عصر کی اکٹھی نیت کرے) تو ان میں سے ایک نماز بھی صحیح نہیں ہوگی۔

اگر روزے میں قضاء اور کفارہ دونوں کی نیت کرے تو قضاء روزہ ہوگا حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ نفلی روزہ ہوگا۔

اگر کفارہ ظہار اور کفارہ یمین کی نیت کرے تو ان میں جسے چاھے مراد لے سکتا ھے اگر زکوۃ اور کفارہ یمین کی نیت کرے تو یہ زکوۃ کی نیت ہوگی اگر فرض نماز اور نماز جنازہ کی نیت کو جمع کرے تو فرض نماز کی نیت ہوگی۔

ضابطہ

اگر دو فرضوں کی نیت کرے اور ان میں سے ایک اقوئی ہو تو نیت اس کی طرف پھر جائے گی قضاء کا روزہ، کفارہ کے روزہ سے اقوئی ہے۔

اگر قوت میں برابر ہوں تو اگر روزہ کا مسئلہ ھے تو اسے اختیار ھے جس طرح کفارہ ظہار اور کفارہ یمین، اسی طرح زکوۃ اور کفارہ ظہار، لیکن کفارہ یمین کے مقابلے میں زکوۃ اقوئی ہے۔

نماز میں اقوی مقدم ہوگی اسی لیے فرض نماز، نماز جنازہ سے مقدم ہے۔

اگر دو فرضوں کی نیت کرے تو اس کی نیت ہوگی جس کا وقت ہے اگر فوت شدہ ہوں تو ان میں سے پہلی کی نیت ہوگی۔ اگر دو حجوں کے لیے احرام باندھا تو دو صورتیں ہیں اکٹھا ہو یا آگے پیچھے تو حضرت امام ابو حنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک اس پر دونوں لازم ہوں گے حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف ایک لازم ہوگا لیکن آگے پیچھے کی صورت میں پہلا لازم ہوگا۔

ثمرۂ اختلاف

اس اختلاف کا نتیجہ یہ ھے کہ اگر حج کے افعال شروع کرنے سے پہلے کسی جنایت کا ارتکاب کرے تو دو احراموں میں جنایت کی وجہ سے دو دم لازم ہوں گے البتہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک دم لازم ہوگا۔

نوٹ: کتاب میں حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ھے لیکن راقم کے خیال میں حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ہونا چاہیے کیونکہ آپ کے نزدیک ایک حج لازم ہوگا جب کہ شیخین کے نزدیک دونوں لازم ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ (12 ہزاروی)

ایک عبادت کے دوران دوسری عبادت کی نیت

اگر ایک عبادت شروع کی اور اس کے دوران دوسری عبادت کی طرف انتقال کی نیت کی اگر انتقال کی نیت کے ساتھ تکبیر بھی کھے تو پہلی سے خارج ہو جائے گا اور اگر نیت کرے لیکن تکبیر نہ کھے تو خارج نہیں ہوگا (اور دوسری میں داخل نہ ہوگا)

جیسے ایک نماز کے دوران دوسری نماز کی نیت کرے تو مندرجہ بالا حکم ہوگا۔

ساتویں بحث (نیت کا وقت)

نیت کا وقت بنیادی طور پر عبادات کی ابتداء ھے اور ابتداء کی دو قسمیں ہیں۔

(1) ابتداء حقیقی (2) ابتداء حکمی

نماز

اگر وضو کرتے وقت نماز کی نیت کرے مثلاً ظہر یا عصر وغیرہ امام کے ساتھ پڑھنے کی نیت

کرے اور اس کے بعد ایسے عمل میں مصروف نہ ہو جو نماز کی جنس سے نہیں (مثلاً کھانا پینا وغیرہ) اور جب نماز کی جگہ پہنچے تو نیت حاضر نہ ہو تو حضرت امام محمد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس نیت کے ساتھ نماز جائز ھے حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمہما اللہ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔

کیونکہ یہ نیت نماز شروع کرنے تک حکمی طور پر باقی ھے جس طرح روزے میں ہوتا ھے (کہ رات کی نیت سے روزہ رکھا جا سکتا ہے)

اگر نماز شروع کرتے وقت نیت حاضر ہو مثلاً کوئی پوچھے کہ کونسی نماز پڑھ رھے ہو تو وہ فوراً بتا دے کہ فلاں نماز پڑھ رہا ہوں تو یہ نیت تامہ ہے۔

سوال: یہ کہا گیا کہ نیت اور نماز شروع کرنے کے درمیان کوئی دوسرا عمل حائل نہ ہو حالانکہ وضو کر کے گھر سے مسجد کی طرف جانا یہ عمل نماز کی جنس سے نہیں تو یہ نیت کیسے درست ہوگی۔

جواب: حائل ہونے والے عمل سے مراد وہ عمل ھے جو نماز سے اعراض پر دلالت کرے اگر چلتے چلتے گفتگو کرتا ھے یا کچھ کھاتا جاتا ھے تو یہ رکاوٹ نہیں۔

وضو، غسل اور تیمم

جیسا کہ یہ بات گزر چکی ھے کہ وضو اور غسل کے صحیح ہونے کے لیے نیت شرط نہیں البتہ ثواب کے لیے نیت ضروری ھے تو اس صورت میں تمام اعضاء کے دھونے کا ثواب تب ملے گا جب پہلی سنت یعنی ہاتھوں کو کلائیوں تک دھوتے وقت نیت کرے بعض حضرات نے فرمایا کہ چہرہ دھوتے وقت نیت کرے لیکن پہلی صورت مناسب ہے۔

غسل میں بھی سنتوں کے آغاز سے نیت کرنا باعث حصول ثواب ھے

تیمم میں نیت شرط ھے اور اس کا محل پاک مٹی پر ہاتھ رکھنے کا وقت ہے۔

نیت اقتداء

نماز باجماعت میں امام کی اقتداء کی نیت کا افضل وقت امام کا نماز شروع کرنا ھے اور کھڑے ہوتے ہی نیت کرے اور یہ معلوم ہو کہ ابھی امام نے نماز شروع نہیں کی تو بھی جائز ھے اور یہ گمان کر کے کہ امام نے نماز شروع کر دی نیت کی ھے حالانکہ شروع نہیں کی تھی تو اس میں اختلاف ھے کہا گیا ھے کہ جائز نہیں۔

وضو میں نیت تقرب

جب کوئی شخص باوضو ہو اور وہ ثواب کی نیت کرے جس سے پانی مستعمل ہو جاتا ہے تو اس کا وقت پانی کا چلو بھرنے کا وقت ہے۔

زکوٰۃ کی نیت کا وقت

زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت نیت کی جائے یا جب مال زکوٰۃ الگ کرے اور بعد میں زکوٰۃ ادا کرے تو مال الگ کرتے وقت نیت کرے کیونکہ زکوٰۃ عبادت ہے جس میں نیت شرط ہے اور اصل یہ ہے کہ نیت ادائیگی سے ملی ہو لیکن بعض اوقات ادائیگی متفرق ہوتی ہے اس لیے ایسی صورت میں مال الگ کرتے وقت نیت کی جائے گی۔

صدقہ فطر کی نیت کا وقت

صدقہ فطر نیت اور مصرف کے اعتبار سے زکوٰۃ کی طرح ہے البتہ یہ فرق ہے کہ صدقہ فطر ذمی کو دیا جا سکتا ہے لیکن اسے زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی۔

روزہ اور وقت نیت

روزہ فرض ہوگا یا نفل، اگر فرض ہو تو ماہ رمضان کا ادا روزہ ہوگا یا اس کے علاوہ ہوگا اگر ادائے رمضان ہو تو سورج کے غروب ہونے سے اس کی نیت کی جا سکتی ہے اور روزے سے متصل بھی اور یہی اصل ہے اور اس سے متاخر بھی یعنی نصف نہار شرعی سے پہلے پہلے نیت ہو سکتی ہے اس میں روزہ داروں کے لیے آسانی ہے اگر ماہ رمضان کا ادا روزہ نہ ہو بلکہ قضا یا نذر یا کفارہ کا روزہ ہو تو نیت متقدم یعنی سورج غروب ہونے کے بعد یا نیت مقارنہ یعنی طلوع فجر سے متصل دونوں صورتیں جائز ہیں۔

اور نفل روزہ کی نیت کا وقت ادائے رمضان کی طرح ہے۔

حج کا وقتِ نیت

حج کی نیت متقدم ہوتی ہے یعنی احرام کے وقت تلبیہ کے ساتھ یا جو تلبیہ کے قائم مقام ہے یعنی ہدی چلانا یہ حج کی نیت کا وقت ہے اس میں قران (اتصال حج سے متصل) یا موخر نہیں ہو سکتی کیونکہ حج کے ارکان اسی وقت صحیح ہوں گے جب احرام متقدم ہو کیونکہ احرام رکن ہے یا شرط۔

نوٹ: ایک جنس کی عبادت میں دوسری جنس کی عبادت کا حکم یہ ہے مثلاً نماز پڑھتے ہوئے روزے کی نیت کر لی جائے تو نیت لغو ہے اور نماز درست ہو گی۔

آٹھویں بحث (بقائے عبادات میں نیت شرط نہیں)

اس کا مطلب یہ ہے کہ عبادت کے شروع میں جو نیت کی وہی کافی ہے اس کی ہر جز میں نیت کا ہونا ضروری نہیں، چنانچہ فرض نماز شروع کرنے کے بعد یہ خیال آیا کہ نفل نماز ہے اور نفل کی نیت سے نماز مکمل کر لی تو وہ فرض نماز ہی ہوگی کیونکہ شروع میں فرض کی نیت کی اور اس نیت کا پوری نماز میں باقی رہنا ضروری نہیں خلاصہ یہ ہے کہ حنفی مذہب کے مطابق جس عبادت کے متعدد افعال ہوں ان میں اسی نیت پر اکتفا کیا جائے گا جو شروع میں کی ہے۔

نویں بحث (محل نیت)

نیت کا محل دل ہے کیونکہ نیت دل کے ارادے کا نام ہے۔

یہاں دو قاعدے ہیں۔

1۔ دل کی نیت کے بغیر محض زبانی نیت پر اکتفا نہ کیا جائے۔

2۔ دل کی نیت کے ساتھ زبان سے نیت کی عبادت میں شرط نہیں پہلے قاعدہ کے تحت درج ذیل سے یہ بات ہے کہ اگر دل اور زبان کی نیت مختلف ہو جائے مثلاً دل میں ظہر کی نماز اور زبان سے عصر کی نماز کی نیت کرے تو دل کا اعتبار ہوگا۔

قسم کا استثناء

اس ضابطے سے قسم مستثنیٰ ہے اگر ارادہ کے بغیر بھی زبان سے قسم کا لفظ نکل گیا تو توڑنے پر کفارہ ہوگا چاہے دل میں قسم کی نیت نہ ہو یا کسی بات کی قسم کھانا چاہتا تھا زبان سے کسی اور بات کی قسم کے الفاظ نکلے تو جو زبان سے نکلا وہی معتبر ہوگا۔

یہ حکم اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کھانے سے متعلق ہے طلاق اور عتاق کے الفاظ نیت کے بغیر ہوں تو قضاءً طلاق اور عتاق واقع ہوں گے، دیانۃً نہیں ہوں گے۔

نوٹ: جو شخص اپنے دل میں نیت کو حاضر نہ رکھ سکے یا نیت میں شک ہو تو زبان سے تکلم کافی ہے

ارشاد خداوندی ہے (سورۃ بقرہ آیت 286)(1)

لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا

اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

زبان سے نیت کی حیثیت

چونکہ قلبی نیت کے ساتھ زبانی تلفظ شرط نہیں لہذا زبانی نیت کا اعتبار نہیں جب تک دل سے نیت نہ ہو البتہ یہ جاننا ضروری ہے کہ زبان سے تلفظ مستحب ہے یا سنت یا مکروہ ہے۔ تو صاحب ہدایہ کے نزدیک مستحب ہے اگر دل کے ارادے پر ٹھہراو نہ ہو فتح القدیر میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام سے زبانی نیت کسی صحیح یا ضعیف حدیث سے ثابت نہیں ابن امیر حاج نے یہ اضافہ کیا کہ ائمہ اربعہ سے بھی منقول نہیں المقید (کتاب) میں ہے کہ بعض مشائخ نے اسے مشائخ سے مکروہ اور کچھ نے سنت نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ لیکن آج کا دور غفلت اور ہجوم افکار کا دور ہے لہذا مناسب یہی ہے کہ صاحب ہدایہ کے قول کو اختیار کیا جائے یعنی زبان سے نیت کو مستحب قرار دیا جائے (12 ہزاروی)

نذر، وقف، طلاق اور عتاق میں نیت

جب کوئی نذر مانی جائے تو زبان سے کہنا معتبر ہوگا صرف دل کی نیت کافی نہیں ہوگی کوئی چیز وقف کرنا ہو تو بھی زبانی تلفظ ضروری ہے اسی طرح طلاق اور عتاق میں بھی زبانی تلفظ ضروری ہے۔

حدیث نفس (قلبی خیال)

قلبی خیال جسے حدیث نفس کہا جاتا ہے اس پر مواخذہ تب ہوگا جب اس پر عمل ہو۔ حدیث شریف میں ہے:

تجاوز اللہ عن امتی عما حدثت بہ انفسھا ما لم تعمل او یتکلم الی غن (1)

اللہ تعالیٰ نے میری امت کے قلبی خیالات سے درگزر فرمایا جب تک (ان پر) عمل نہ کرے یا زبان پر نہ لائے۔

---

2. صحیح مسلم ج

حدیث نفس کی اقسام واحکام

انسان کے دل میں اطاعت اور گناہ کے حوالے سے پیدا ہونے والے خیالات کی پانچ قسمیں ہیں۔

1۔ الھاجس۔ دل میں جو خیال واقع ہوا اسے ہاجس کہا جاتا ہے۔

2۔ الخاطر۔ جب ہاجس پھیلتا ہے تو اسے خاطر کہتے ہیں۔

3۔ حدیث نفس۔ پھر جب اس میں تردد ہوتا ہے کہ عمل کرے یا نہ کرے تو اسے حدیث نفس کہتے ہیں۔

4۔ الھم۔ جب قصدِ فعل کو ترجیح حاصل ہو تو اسے الھم کہتے ہیں۔

5۔ العزم۔ جب قصد اور ارادہ پختہ ہو جاتا ہے تو اسے العزم کہتے ہیں۔

ہاجس پر مواخذہ نہیں کیونکہ وہ بندے کا فعل نہیں اور وہ اس میں بے بس ہے۔ خاطر اور حدیث نفس بھی قابل مواخذہ نہیں کیونکہ حدیث شریف کے مطابق ان دونوں سے قلم اٹھایا گیا۔

یہ تینوں اگر نیکی کے سلسلے میں ہوں تو قصد نہ ہونے کی وجہ سے اجر نہیں ملے گا۔

اور "الھم" کے بارے میں حدیث شریف میں ہے۔

من ھمّ بحسنة فلم لو ملھا کتبت له حسنة ومن ھم بحسنة فعملھا کتبت له عشرا الی بلغ مائة ضعف ومن ھمّ لیئة فلم یعلھا لم تکتبُ وان عملھا کتبت

(صحیح مسلم کتاب الایمان باب تجاوز اللہ عن حدیث النفس، جلد 2، ج 4، ص 149)

جو نیکی کا ارادہ کرے اور عمل نہ کر سکے اس کے لیے ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور جو نیکی کا ارادہ کرے اور اس پر عمل بھی کرے تو اس کے لیے دس سے سات سو تک لکھی جاتی ہیں اور جو برائی کا ارادہ کرے اور عمل نہ کرے تو گناہ نہیں لکھا جاتا اور اگر عمل کرے تو ایک گناہ لکھا جاتا ہے۔

"عزم" کے بارے میں محققین کا موقف یہ ہے کہ اس پر مواخذہ ہوتا ہے لیکن بعض نے اسے "الھم" سے قرار دیا جس سے قلم اٹھا لیا گیا یہ بھی کہا گیا ہے کہ گناہ کے عزم (پختہ ارادہ) پر گناہ ہوتا ہے۔

دسویں بحث۔ نیت کی شرائط

نیت کے درست ہونے کی چند شرائط ہیں۔

1۔ اسلام۔ یہی وجہ ہے کہ کافر کی عبادات صحیح نہیں ہوتیں کیونکہ وہ نیت کا اہل نہیں۔
صاحب کنز وغیرہ نے لکھا کہ اگر کافر تیمم کرے تو درست نہیں کیونکہ اس میں نیت شرط ہے اور وہ نیت کا اہل نہیں اور اگر وضو یا غسل کرے پھر اسلام قبول کرے تو نماز پڑھ سکتا ہے کیونکہ وضو اور غسل میں نیت شرط نہیں لہٰذا کافر کا وضو اور غسل صحیح ہے۔

2۔ تمیز۔ یعنی سمجھ رکھتا ہو لہٰذا ایسا بچہ جو سمجھدار نہ ہو اور اسی طرح مجنون ان کی عبادت صحیح نہیں۔

3۔ منوی کا علم۔ جس عبادت کی نیت کی اس کا علم بھی ہو جس شخص کو نماز کی فرضیت کا علم نہ ہو اس کی نماز درست نہیں کیونکہ نماز کے لیے نیت ضروری ہے اور نیت کے لیے اس کی فرضیت کا علم ہونا ضروری ہے۔

4۔ کوئی منافی بات نہ پائی جائے۔ نیت کے لیے چوتھی شرط یہ ہے کہ نیت اور منوی کے درمیان کوئی ایسی بات نہ پائی جائے جو اس کے منافی ہے جس کا اس عبادت سے تعلق نہ ہو یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص مرتد ہو جائے (معاذ اللہ) تو اسکی عبادت باطل ہو جائے گی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کا مسئلہ

اگر کوئی شخص (معاذ اللہ) مرتد ہو گیا اور اسی ارتداد پر مر گیا تو وہ صحابی نہ رہا اگر اس کے بعد اسلام قبول کیا تو اگر حضور علیہ السلام کی (ظاہری) حیات طیبہ میں توبہ کی تو صحبت نبوی کے لوٹنے میں کوئی حرج نہیں۔

قاعدہ نمبر 3

الیقین لا یزول بالشك (یقین، شک سے زائل نہیں ہوتا)

مطلب یہ کہ اگر کسی بات کا یقین ہو اور اس کے خلاف شک پیدا ہو تو یقین برقرار رہے گا کیونکہ یقین قوی ہے اور شک کمزور ہے اور کمزور، قوی کو ختم نہیں کر سکتا۔

مثلاً جب پانی کے پاک ہونے کا یقین ہو تو محض شک سے ناپاک نہیں ہوگا بلکہ کسی یقینی دلیل سے ہی اس کی ناپاکی ثابت ہوگی اس قاعدہ کی دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث ہے جسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اذا وجد احدکم فی بطنه شیئا فاشکل علیه اخرج منه شیء ام لا فلا یخرجن

من المسجد حتى يسمع صوتا او يجد ريحا

(صحیح مسلم کتاب الطهارة باب من تيقن الطهارة ثم شک له ان يصلی بطهارة جلد 4 ص 51)

جب تم میں سے کوئی شخص اپنے پیٹ میں کوئی چیز محسوس کرے اور اسے سمجھ نہ آئے کہ کوئی چیز نکلی یا نہیں؟ تو وہ مسجد سے ہر گز نہ نکلے حتیٰ کہ آواز سنے یا بُو پائے۔

یعنی اس کا وضو یقینی ہے اور پیٹ میں کچھ محسوس کرنا محض شک ہے لہٰذا اس کا وضو نہیں ٹوٹا البتہ ہوا نکلنے کی آواز یا بُو محسوس کرے تو اسے وضو ٹوٹنے کا یقین ہو جائے گا۔

ضمنی قواعد

اس قاعدہ کے تحت چند ضمنی قواعد ہیں، جو درج ذیل ہیں۔

ضمنی قاعدہ نمبر 1 کسی چیز کا اپنی اصل حالت پر باقی رہنا

مثال۔ جس آدمی کو طہارت کا یقین ہو اور حدث میں شک ہو تو وہ طہارت پر ہی ہو گا اور جسے حدث کا یقین ہو اور طہارت کا شک ہو تو وہ بے وضو ہی ہو گا۔

ضمنی قاعدہ نمبر 2 اصل برأت ہے

مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ میں فلاں چیز سے بریٔ الذمہ ہوں اور دوسرا اس پر دعویٰ کرے تو یہ دعویٰ خلاف اصل ہو گا کیونکہ اصل یہ ہے کہ آدمی بریٔ الذمہ ہوتا ہے اس لیے مدعیٰ علیہ کی بات مانی جاتی ہے کیونکہ وہ اصل کے مطابق ہے اور مدعی چونکہ خلاف اصل کا دعویٰ کرتا ہے لہٰذا اسے گواہ پیش کرنے کے لیے کہا جاتا ہے۔

جب کوئی چیز ہلاک یا غصب کی گئی اور اس کی قیمت میں اختلاف ہوا تو چٹی بھرنے والے کا قول معتبر ہو گا کیونکہ اصل زائد رقم سے برأت ہے۔

ضمنی قاعدہ نمبر 3 فعل کے کرنے اور نہ کرنے میں شک ہو تو اصل عدمِ فعل ہے

اگر کسی کو شک ہوا کہ اس نے فلاں کام کیا ہے یا نہیں تو اصل یہ ہے کہ اس نے نہیں کیا۔

اس کے ضمن میں ایک اور قاعدہ ہے وہ یہ کہ قلیل و کثیر میں شک ہو تو قلیل پر محمول کیا جائے گا کیونکہ وہ یقینی ہے۔

یہاں ایک قاعدہ اور بھی ہے وہ یہ ہے کہ یقین، یقین کے ساتھ ختم ہو سکتا ہے اور اس سے مراد ظن غالب ہے۔

چند مثالیں

کسی شخص کو شک ہوا کہ اس نے طلاق دی ہے یا نہیں تو طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ اصل عدم فعل ہے۔

اگر شک ہوا کہ ایک طلاق دی ہے یا زیادہ تو اصل پر بنیاد ہوگی کیونکہ قلیل اور کثیر میں شک ہو تو قلیل پر محمول کیا جاتا ہے۔

البتہ زیادہ طلاقوں کا یقین ہو یا ظن غالب ہو تو زیادہ طلاقیں ہوں گی کیونکہ اب یقین (ایک طلاق) دوسرے یقین (زیادہ طلاقوں) کے ذریعے ختم ہو رہا ہے۔

ضمنی قاعدہ نمبر 14 اصل عدم ہے

یعنی عدم اصل ہے وجود اصل نہیں یہی وجہ ہے کہ وطی کی نفی کرنے والے کا قبول کیا جائے گا البتہ عنین کے بارے میں فقہاء کرام فرماتے ہیں اگر وہ وطی کا دعویٰ کرے اور عورت انکار کرے ٹیسٹ سے ثابت ہو جائے کہ وہ عورت کنواری ہے تو اسے اختیار ہوگا یعنی اس کے نکاح میں رہے یا علیحدگی اختیار کرے اور اگر خواتین کہیں کہ یہ ثیبہ ہے تو خاوند کا قول معتبر ہوگا کیونکہ وہ عورت کے اس سے فرقت کے استحقاق کا انکار کرتا ہے اور اصل عنین ہونے سے سلامتی ہے (یعنی عنین نہ ہونا ہے)

اسی طرح شریک اور مضارب نفع کا انکار کریں تو ان کا قول معتبر ہوگا کیونکہ اصل عدم ہے (البتہ رب المال گواہ پیش کرے تو نفع ثابت ہو جائے گا اور چونکہ وہ اصل کے خلاف دعویٰ کر رہا ہے اس لیے اس کے ذمہ گواہ پیش کرنا لازم ہے)

تنبیہ

مطلق عدم اصل نہیں بلکہ وہ صفات عارضہ میں اصل ہے اور صفات اصلیہ میں اصل وجود ہے۔

اس کی مثال۔ کسی شخص نے اس بنیاد پر غلام خریدا کہ وہ نان بائی یا کاتب ہے اور اس نے بتایا کہ غلام میں یہ صفت موجود نہیں تو اس کا قول معتبر ہوگا کیونکہ اصل ان صفات کا نہ پایا جانا ہے کیونکہ یہ

عارضی صفات ہیں۔

اور اگر لونڈی اس بنیاد پر خریدی کہ وہ کنواری ہے اس نے بتایا کہ لونڈی میں یہ صفت موجود نہیں ہے اور بائع نے اس کے کنواری ہونے کا دعوی کیا تو بائع کی بات قبول ہوگی کیونکہ کنوارہ پن صفات اصلیہ میں سے ہے اور صفات اصلیہ میں اصل عدم نہیں بلکہ وجود ہے۔

ضمنی قاعدہ نمبر 5 اصل یہ ہے کہ حادث کی اضافت اقرب اوقات کی طرف کی جائے

اس ضابطہ کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی نیا واقعہ پیدا ہو تو قریب ترین وقت کی طرف اس کی اضافت کی جائے۔

مثال۔ اگر کسی شخص نے کپڑے میں نجاست دیکھی اور اس کپڑے میں اس نے نماز پڑھی تھی اور اسے معلوم نہیں کہ یہ نجاست کب لگی ہے تو آخری مرتبہ جب بے وضو ہوا اس کے بعد کی نمازیں لوٹائے اور اگر منی لگی ہو تو آخری بار سونے کے بعد جو نمازیں پڑھی ہیں ان کو لوٹائے۔

ضمنی قاعدہ نمبر 6 اشیاء میں اصل کیا ہے اباحت یا حُرمت؟

حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے جب تک عدم اباحت کی دلیل نہ ہو احناف کے نزدیک بھی اصل اباحت ہے شرح منار میں ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے یہ بعض حنفیہ کے نزدیک ہے اور ان میں امام کرخی رحمتہ اللہ علیہ بھی شامل ہیں بعض اصحاب حدیث فرماتے ہیں کہ اصل ''الحظر'' (ممانعت) ہے۔

مصنف فرماتے ہیں ہمارے اصحاب کے نزدیک اصل توقف ہے یعنی اس کا حکم ہے لیکن ہم بالفعل اس سے واقف نہیں ہدایہ میں بھی اباحت کو اصل قرار دیا گیا۔

اس اختلاف کا اثر وہاں ظاہر ہوتا ہے جہاں حکم کے بارے میں خاموشی ہو۔

جیسے کسی نہر کا حکم معلوم نہ ہو کہ وہ عام لوگوں کے لیے مباح ہے یا کسی کی ملکیت ہے۔

ضمنی قاعدہ نمبر 7 جماع اصل میں حرام ہے

کسی عورت سے جماع کرنا اصل میں حرام ہے اسی لیے فخر الاسلام نے کشف الاسرار میں

فرمایا کہ نکاح میں اصل حظر (ممانعت) ہے اور ضرورت کے تحت اسے جائز قرار دیا گیا ہے۔

اور جب کسی عورت میں حلت اور حرمت کا تقابل ہو تو حرمت غالب ہوگی اسی لیے شرمگاہوں کے بارے میں غور و فکر جائز نہیں اگر کسی شخص کی چار لونڈیاں ہوں اور ان میں سے کسی ایک معین کو آزاد کر دے پھر بھول جائے اور معلوم نہ ہو کہ کونسی لونڈی آزاد کی ہے تو وہ وطی کرنے یا فروخت کرنے کے سلسلے میں تحری یعنی سوچ و بچار نہیں کر سکتا۔

ضمنی قاعدہ نمبر 8 کلام میں حقیقت اصل ہے

اس قاعدہ کا مطلب یہ ہے کہ کلام میں حقیقت اور مجاز میں سے اصل حقیقت ہے (جب حقیقت پر عمل نہ ہو سکے یا وہ متروک ہو جائے تو مجاز کو اختیار کیا جاتا ہے)

مثلاً نکاح کا حقیقی معنی وطی کرنا ہے اور ارشاد خداوندی:

ولا تنکحوا ما نکح اباؤکم من النساء (سورۃ النساء آیت 22)

اور ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے آباء و اجداد نے نکاح کیا۔

اسی پر محمول ہے یعنی وطی مراد ہے۔

لہذا جس طرح باپ کی بیوی (سوتیلی والدہ) حرام ہے اسی طرح جس سے باپ نے زنا کیا وہ بھی حرام ہے اسی لیے احناف کے نزدیک باپ کی مزنیہ سے بیٹا جماع نہیں کر سکتا اور جب جماع جائز نہیں تو اس سے نکاح بھی جائز نہیں۔

نوٹ: عقد نکاح کے لیے لفظ نکاح بطور مجاز استعمال ہوتا ہے اور ہمارے ہاں یہ مجاز متعارف ہے۔

ایک اور مثال یہ ہے کہ اگر کوئی چیز اولاد کے لیے وقف کی تو اولاد کی اولاد اس میں شامل نہیں ہوگی کیونکہ لفظ اولاد کے حقیقی معنی میں اولاد کی اولاد نہیں آتی۔

قاعدہ نمبر 3 کے چند فوائد

قاعدہ نمبر 3 یعنی یقین شک سے زائل نہیں ہوتا کے تحت چند فوائد ہیں۔

پہلا فائدہ چند مسائل پر مشتمل ہے۔

مثلاً نمبر 1۔ کسی کو شک ہوا کہ اس نے تکبیر تحریمہ کہی ہے یا نہیں یا وہ بے وضو ہوا تھا یا نہیں یا سر کا

مسح کیا یا نہیں اگر ایسا پہلی بار ہوا ہے تو وہ نئے سرے سے نماز شروع کرے، وضو کرے اور سر کا مسح کرے۔

2۔ شکار پر تیر پھینکا پھر وہ اس کی نگاہ سے غائب ہو گیا پھر مردہ پایا اور موت کے سبب کا علم نہیں تو شک کی وجہ سے وہ حرام ہو گا (دیگر کئی مسائل ہیں اصل کتاب میں دیکھیں)

دوسرا فائدہ

شک، ظن اور وہم اور غالب ظن کی تعریفات۔

جب طرفین (ہاں یا نہ) برابر ہوں تو اسے شک کہتے ہیں اگر ایک طرف راجح ہو تو اسے ظن کہا جاتا ہے اور اس میں درستگی کی جہت کو ترجیح ہوتی ہے اور خطاء کی جہت کو ترجیح ہو تو وہم کہلاتا ہے۔

جب دل میں راجح طرف ہو تو یہ غالب یا اکبر رائے ہے اور فقہاء کے نزدیک یہی معتبر ہے۔

نوٹ: فقہاء کے نزدیک غالب ظن یقین سے ملحق ہوتا ہے اور یہی احکام کی بنیاد ہے فقہاء نے تصریح فرمائی کہ وضو توڑنے والی چیزوں میں غالب، متحقق کی طرح ہے اور طلاق واقع ہونے کا محض گمان ہو تو واقع نہیں ہوگی اور ظن غالب ہو تو واقع ہوگی۔

تیسرا فائدہ۔ استصحاب

استصحاب کا مطلب یہ ہے کہ جو حکم متحقق ہو گیا جب تک اس کے عدم کا گمان نہ ہو اس کے بقاء کا حکم لگانا کہ یہ اب بھی باقی ہے، استصحاب کہلاتا ہے۔

اس کے حجت ہونے میں اختلاف ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ مطلقاً حجت ہے، اکثر فقہاء نے مطلق حجت کی نفی کی ہے اور تین عظیم شخصیات حضرت ابو زید، شمس الائمہ اور فخر الاسلام رحمہما اللہ نے فرمایا کہ استصحاب، دفع کے لیے حجت ہے استحقاق کے لیے نہیں اور فقہاء کے نزدیک یہی مشہور ہے۔

مثلاً۔ جو شخص مفقود ہے ہمارے نزدیک نہ وہ کسی کا وارث ہوگا اور نہ اس کی وراثت تقسیم ہوگی یعنی وہ اپنے مال کے اعتبار سے زندہ قرار دیا جائے گا اور اس کی وراثت تقسیم نہیں ہوگی اس طرح اس سے ضرر کو دور کرنے کے لیے استصحاب دلیل ہوگی یعنی وہ اپنی پہلی حالت پر قائم ہے یعنی زندہ ہے۔

اور استحقاق کے لیے حجت نہیں یعنی اگر اس کا کوئی وارث (مثلاً باپ) فوت ہو جائے تو اس کو مردہ قرار دیا جائے گا اور اسے وراثت سے حصہ نہیں ملے گا یعنی یہاں استصحاب کو دلیل نہیں بنایا جائے گا اور اسے پہلی حالت پر قائم قرار نہیں دیا جائے گا

قاعدہ نمبر 4

المشقۃ تجلب التیسیر ۔ مشقت آسانی کولاتی ہے

اس قاعدہ کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی عمل باعث مشقت ہو تو شریعت اسلامیہ کی طرف سے اس میں تخفیف ہوتی ہے اس کی دلیل یہ ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

یرید اللّٰہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر (سورۃ بقرہ آیت 185)

اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لیے تنگی کا ارادہ نہیں فرماتا۔

نیز ارشاد خداوندی ہے:

وما جعل علیکم فی الدین من حرج (سورۃ حج آیت 78)

اور حدیث شریف میں ہے:

احب الدین الی اللّٰہ تعالیٰ الحنیفیہ السمحۃ

اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ دین وہ ہے جو خالص اور آسان ہے (صحیح بخاری کتاب الایمان 1/10)

علماء کرام فرماتے ہیں یہ قاعدہ شریعت کی تمام رخصتوں اور تخفیف کی بنیاد ہے۔

عبادات وغیرہ میں اسباب تخفیف

عبادات وغیرہ میں تخفیف کے اسباب سات ہیں۔

(1) سفر (2) مرض (3) اکراہ (4) نسیان (5) جہالت (6) عسر اور عموم بلوی (7) نقص

سفر

سفر کی دو قسمیں ہیں۔

1۔ وہ سفر جو طویل مسافت کے ساتھ خاص ہے اور اس سے مراد تین دن رات (کا سفر) ہے۔ اس میں نماز میں قصر، روزہ چھوڑنے، ایک دن رات سے زیادہ موزوں پر مسح کرنے اور قربانی واجب نہ ہونے کی صورت میں تخفیف ہے۔

2۔ جو طویل مسافت کے ساتھ خاص نہیں۔

اس سے مراد مطلقاً شہر سے باہر جانا ہے اور اس سفر میں جمعہ، عیدین اور نماز باجماعت کو چھوڑنے، سواری پر نفل پڑھنے، تیمم کا جواز بیویوں میں سے کسی ایک کو سفر پر لے جانے کے لیے ان کے درمیان قرعہ اندازی کا استحباب کی صورت میں تخفیف ہے۔

نوٹ: احناف کے نزدیک مسافر کے لیے نماز میں قصر رخصت اسقاط یعنی عزیمت ہے یعنی پوری نماز (چار رکعت فرض) پڑھنا جائز نہیں (جب اکیلا پڑھے)

مرض

بیماری کی رخصتیں بہت زیادہ ہیں۔

مثلاً نفس یا عضو کی ہلاکت کا خطرہ ہو یا مرض کے بڑھنے کا ڈر ہو تو تیمم جائز ہے، بیماری کی وجہ سے بیٹھ کر یا لیٹ کر اشارے سے پڑھنا (حسب ضرورت) جائز ہے۔

ماہ رمضان میں شیخ فانی کا فدیہ دینا، کفارۂ ظہار میں بیماری کی وجہ سے روزوں کا کھانا کھلانے کی طرف انتقال، اعتکاف سے نکلنا وغیرہ (تفصیل اصل کتاب میں دیکھیں)

اکراہ

اکراہ کا معنی کسی کو مجبور کرنا ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں۔

(1) اکراہ کامل (2) اکراہ قاصر

اکراہ کامل میں مکرَہ (فتح راء) کا اختیار فاسد اور رضا معدوم ہوتی ہے مثلاً مکرِہ (کسرۂ راء کے ساتھ) کہتا ہے کہ فلاں کام کرو ورنہ تمہیں قتل کر دوں گا اکراہ کامل کی صورت میں مردار کھانے، شراب پینے اور خنزیر کھانے کی ممانعت نہیں بلکہ اسے یہ تخفیف حاصل ہوتی ہے۔

اکراہ قاصر کی صورت میں مکرہ کی طرف سے محض دھمکی ہوتی ہے اور مکرہ کی رضا معدوم ہوتی ہے اس میں الجاء نہیں ہوتا (یعنی وہ مجبور نہیں ہوتا) جب کہ اکراہ کامل میں الجاء ہوتا ہے۔

نسیان

نسیان کی واضح تعریف یہ ہے۔

النسیان ھو النقصان او بطلان قوۃ الذکر (قوت یاداشت میں کمی آجانا یا اس کا ضائع ہوجانا)

نسیان، حقوق اللہ کے وجوب کے منافی نہیں ہے لیکن چونکہ عبادات میں اکثر نسیان لازم ہوتا ہے اس لیے حقوق اللہ میں یہ (نسیان) اسباب عفو میں سے ہے کیونکہ نسیان صاحب حق یعنی اللہ تعالٰی کی طرف سے ہوتا ہے مثلاً روزے کی حالت میں بھول کر کھانا اسی طرح ذبح کے وقت بُھول کر بسم اللہ نہ پڑھنا وغیرہ۔

لیکن حقوق العباد میں نسیان معاف نہیں کیونکہ یہاں نسیان صاحب حق کی طرف سے نہیں اس لیے جب بُھول کر کسی کا مال ضائع کرے تو ضمان لازم ہوگی۔

جہل (جہالت)

بنیادی طور پر جہل کی دو قسمیں ہیں۔

(1) جہل بسیط (2) جہل مرکب

جس کی شان سے ہو کہ اس کے پاس علم ہونا چاہیے اور اس کے پاس علم کا نہ ہونا جہل بسیط ہے۔

اور جہل مرکب ایسے اعتقاد جازم کو کہتے ہیں جو واقع کے مطابق نہ ہو جب کہ وہ واقعہ کے مطابق ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو۔

یہ جہل ایسا عیب ہے کہ اس کا ازالہ ممکن نہیں۔

انواع جہل

جہل کے عذر ہونے اور نہ ہونے کے حوالے سے جہل کی چار انواع ہیں۔

1۔ کافر کا جہل۔ یہ جہل باطل ہے یعنی عذر نہیں بن سکتا کیونکہ کافر دلیل کے واضح ہونے کے بعد محض ہٹ دھرمی اختیار کرتا ہے۔

2۔ خواہش کے پجاری (اہل ہوا) کا جہل، یہ بھی باطل ہے اور عذر نہیں بن سکتا کیونکہ وہ بھی واضح دلیل کے باوجود قرآن میں تاویل کرتے ہیں جیسے معتزلہ کہ اللہ تعالٰی کی صفات کا انکار کرتے ہیں وہ اللہ تعالٰی کو عالم، قدیر وغیرہ مانتے ہیں لیکن اس کی صفت علم اور صفت قدرت وغیرہ کا انکار کرتے ہیں

یعنی اسے موصوف مانتے ہیں لیکن اس کے لیے صفات نہیں مانتے۔

3۔ مقام اجتہاد میں جہل۔ یہ وہ جہل ہے جس میں شبہ پایا جاتا ہے مثلاً کسی شخص نے اس حدیث "افطر الحاجم والمحجوم" سینگی لگانے اور لگوانے والے کا روزہ ٹوٹ گیا کی بنیاد پر سینگی لگوانے کے بعد کھانا کھایا حالانکہ وہ روزے سے تھا لیکن اس کا خیال تھا کہ سینگی سے روزہ ٹوٹ گیا لہٰذا اب کھانا پینا جائز ہے، تو اس پر روزے کا کفارہ نہیں کیونکہ اس کا یہ جہل کہ حدیث سے یہ مراد نہیں شبہ کی وجہ سے عذر ہے۔

4۔ دارالحرب کے مسلمان کا جہل۔ جو شخص دارالحرب میں اسلام قبول کرے اور اسلامی احکام سے بے علم رہے تو یہ جہل بھی عذر ہے کیونکہ وہاں علم کا کوئی ذریعہ نہیں۔

نوٹ: آج کے سائنسی دور میں انٹرنیٹ وغیرہ کے ذریعے علم حاصل ہوسکتا ہے لہٰذا جس کو یہ سہولت حاصل ہو اس کے لیے جہل، عذر نہیں ہوگا۔ (12 ہزار روی)

عُسر اور عموم بلویٰ

یعنی تنگی اور عام ابتلاء کی وجہ سے تخفیف ہوتی ہے۔ اس کی بے شمار مثالیں ہیں چند مثالوں پر اکتفاء کیا جاتا ہے مثلاً نجاست خفیفہ کپڑے کے چوتھے حصے سے کم ہو یا نجاست غلیظہ درہم کی مقدار سے کم ہو تو یہ معاف ہے اس کے ساتھ نماز جائز ہے۔

مچھر، مکھی وغیرہ کا خون، معذور آدمی جس کا خون اور پیپ وغیرہ مسلسل بہتی ہو، راستوں کا کیچڑ، وہ نجاست جس کا ازالہ ممکن نہ ہو تو اس کے لیے معافی ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے تمام عبادات میں وسعت پیدا کی ہے اسی لیے آپ کے نزدیک عورت یا شرمگاہ کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا آپ نے وضو میں نیت شرط نہیں رکھی۔ نماز میں قرآن پاک کے کسی خاص حصے کی قرأت کو فرض قرار نہیں دیا (مزید تفصیل الاشباہ والنظائر میں ملاحظہ کیجیے)

نقص (کوتاہی اور کمی)

عقل و دانش میں نقص بھی باعث تخفیف ہے اسی لیے بچہ اور مجنون شرعی احکام کے مکلف نہیں ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان کے امور کو ان کے ولی کے سپرد کیا گیا اور بہت سے احکام جو مردوں پر لازم

ہیں عورتوں کے لیے تخفیف ہے جیسے نماز باجماعت، جمعہ، جہاد وغیرہ۔

فوائد

اس قاعدہ کے تحت چند فوائد ہیں۔

پہلا فائدہ۔(مشقت کی تقسیم)

مشقت کی دو قسمیں ہیں۔

(1) وہ مشقت جس سے عبادت عام طور پر جدا نہیں ہوتی جیسے وضو اور غسل میں ٹھنڈک کی مشقت، سخت گرمیوں اور طویل دنوں میں روزہ رکھنے کی مشقت، اسی طرح حج اور جہاد کے لیے سفر کی مشقت وغیرہ۔

اس مشقت کا عبادت کو ساقط کرنے میں کوئی اثر نہیں یعنی اس کی وجہ سے عبادت ساقط نہیں ہوتی۔

2۔ مشقت کی دوسری قسم وہ ہے جو عام طور پر عبادت میں نہیں پائی جاتی، اس کے تین مراتب ہیں۔

(ا) مشقت عظیمہ قادحہ۔ جیسے (وضو اور غسل میں) نفس اور اعضاء کے نقصان کے خوف کی مشقت کی وجہ سے تخفیف ہوتی ہے (یعنی تیمم کی اجازت ہوتی ہے)

اسی طرح اگر حج کے لیے صرف سمندر کا راستہ ہو اور سلامتی نہ ہو تو بطور تخفیف حج واجب نہیں ہوگا۔

(ب) مشقت خفیفہ۔ جیسے انگلی میں یا سر میں معمولی درد ہو یا مزاج میں کچھ خرابی ہو تو اس مشقت کی وجہ سے تخفیف کا کوئی اثر نہیں ہوگا اور نہ ہی اس طرف توجہ ہوگی۔

(ج) مشقت متوسطہ۔ جیسے مریض کو ماہ رمضان میں روزہ رکھنے کی صورت میں مرض کے بڑھنے یا تاخیر سے صحت مند ہونے کا خطرہ ہو تو اس کے لیے روزہ چھوڑنا جائز ہے۔

اسی طرح وہ بیماری جس کی وجہ سے تیمم جائز ہوتا ہے مشقت متوسطہ میں شمار ہوتی ہے۔

دوسرا فائدہ۔ تخفیفات شرع کی اقسام

شریعت اسلامیہ میں جو تخفیفات دی گئی ہیں ان کی سات اقسام ہیں۔

1۔ تخفیف اسقاط۔ کسی عذر کی وجہ سے عبادت کو ساقط کرنا (جیسے حیض ونفاس)

2۔ تخفیف تنقیص۔ اس صورت میں عبادت ساقط نہیں کی جاتی بلکہ اس میں کمی کی جاتی ھے جیسے مسافر کے لیے نماز میں قصر۔

نوٹ: احناف کے نزدیک قصر اصل ہے۔

3۔ تخفیف ابدال۔ یعنی تخفیف کے لیے عبادت کو دوسری شکل میں بدل دیا جاتا ھے جیسے وضواور غسل کو تیمم میں بدلنا اور عذر کی وجہ سے کھڑے ہونے کی بجائے بیٹھ کر یا لیٹ کر اشارہ سے نماز پڑھنے کی اجازت۔

4۔ تخفیف تقدیم۔ اس کی مثال حج کے موقعہ پر عرفات میں عصر کی نماز کو مقدم کر کے ظہر کی نماز کے ساتھ جمع کرنا اسی طرح سال پورا ہونے سے پہلے زکوۃ ادا کرنا۔

5۔ تخفیف تاخیر۔ جیسے مزدلفہ میں مغرب کی نماز کو موخر کر کے عشاء کے وقت دونوں نمازوں کو جمع کرنا۔

6۔ تخفیف ترخیص۔ اس کی مثال ھے کہ ڈھیلوں کے ساتھ استنجاء کرنے والے کے جسم پر کچھ گندگی رہ جائے تو اس کے ساتھ نماز جائز ہے۔

7۔ تخفیف تغیر۔ اس کی مثال نماز خوف ھے جس میں نماز کا طریقہ بدل جاتا ہے۔

تیسرا فائدہ

مشقت اور حرج (جو تخفیف کا باعث ہیں) وہاں معتبر ہیں جہاں نص نہ ہو جب اس (تخفیف) کے خلاف نص ہو تو مشقت اور حرج کا اعتبار نہیں ہوگا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حرم شریف کا گھاس (سوائے اذخر گھاس کے) جانوروں کو چرانا اور کاٹنا حرام ہے۔

گویا آپ نے نص کی وجہ سے حرم کے گھاس کے کاٹنے سے منع فرمایا حالانکہ اس منع کی وجہ

سے حرج اور مشقت ہے لیکن آپ نے نص کو مقدم کیا۔

چوتھا فائدہ

بعض علماء نے اس قاعدہ کے تحت یہ فائدہ ذکر کیا کہ جب معاملہ تنگ ہو تو وسعت پیدا ہو جاتی اور جب وسعت ہو تو تنگی ہو جاتی ہے راقم کے نزدیک اس کی مثال یوں دی جا سکتی ہے کہ جب کوئی کام مشکل ہو تو وقت میں گنجائش دی جائے اور جب معاملہ آسان ہو تو اس کے لیے کم وقت بھی کافی ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ (12 ہزاروی)

قاعدہ نمبر 5

الضرر یزال (ضرر زائل کیا جائے)

اس قاعدہ کی اصل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث ہے آپ نے فرمایا:

لا ضـــرر و لا ضـــرار (سنن ابن ماجہ کتاب الاحکام باب من بنی فی حقہ ما یضر بجارہ ص149)

اس حدیث کی وضاحت یوں کی گئی کہ نہ ابتدائی طور پر کسی کو نقصان پہنچایا جائے اور نہ کسی کے بدلے میں ضرر پہنچایا جائے۔ اسی طرح نہ کسی کو نقصان پہنچائے اور نہ اسے کوئی نقصان پہنچائے۔ اس قاعدہ کے تحت بے شمار جزئیات ہیں۔

اس کی ایک مثال یہ ہے۔

کسی شخص نے درخت کی شاخیں فروخت کیں خریدار جب شاخوں کو کاٹنے کے لیے چھت پر چڑھتا ہے تو پڑوسیوں کی پردہ دری ہوتی ہے تو اسے حکم دیا جائے گا کہ وہ اوپر جاتے وقت پڑوسیوں کو خبردار کرے تاکہ وہ پردہ کر لیں اسے ایک یا دو مرتبہ کہا جائے اگر مان جائے تو ٹھیک ورنہ عدالت سے رجوع کیا جائے تاکہ وہ اسے روکے۔

ضمنی قواعد

اس قاعدہ کے تحت تین ضمنی قواعد ہیں۔

ضمنی قاعدہ نمبر 1

الضرورات تبیح المحذورات

ضرورتیں، ممنوع کاموں کے جواز کا باعث ہوتی ہیں۔

جیسے حالتِ اضطرار میں مردار کھانا حلال ہو جاتا ہے، ایسی حالت میں پھنسا ہوا لقمہ اشراب کے ذریعے تارا جاتا ہے۔ مُکرہ (راہ پر فتح) حالتِ اکراہ میں کلمہ کفر کہہ سکتا ہے جب کہ دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔

نوٹ: جب ایسی صورت میں کسی دوسرے شخص کا نقصان ہو تو اجازت نہیں جیسے کسی دوسرے کو قتل کرنے پر مجبور کیا جائے تو اس کی رخصت نہیں کیونکہ دوسرے آدمی کے قتل کے فساد سے اپنے قتل کا فساد کم ہے۔

ضمنی قاعدہ نمبر 2

ما ابیح للضرورۃ یُقَدَّر بقدرِھا

جو چیز ضرورت کے تحت مباح قرار دی جائے وہ ضرورت کی مقدار پر مباح ہوگی۔

مثلاً۔ جو شخص اضطرار کی وجہ سے مردار کھاتا ہے وہ اسی قدر کھائے جس سے زندگی کی رمق باقی رہے اسی طرح طبیب علاج کے لیے بقدر حاجت مریض کے ستر کو دیکھ سکتا ہے زیادہ نہیں۔

دوسرا قاعدہ (ب)

ما جاز بعذر بطل بزوالہ

جو کام کسی عذر کی وجہ سے جائز ہو وہ اس عذر کے زائل ہوتے ہی باطل ہو جاتا ہے۔

جیسے کسی عذر کی وجہ سے تیمم جائز ہوتا ہے تو اس عذر کے زائل ہوتے ہی تیمم ٹوٹ جاتا ہے مثلاً پانی نہ ہونے کی وجہ سے تیمم کیا تو پانی ملتے ہی تیمم ٹوٹ جائے گا کسی بیماری کی وجہ سے تیمم کیا تو بیماری زائل ہوتے ہی تیمم ٹوٹ جائے گا۔

ضمنی قاعدہ نمبر 3

الضرر لا یزال بالضرر

ضرر، ضرر کے ساتھ زائل نہیں ہوتا۔ یعنی ضرر کو زائل تو کیا جائے لیکن ضرر کے ذریعے نہیں۔

اس کی ایک مثال یہ ہے کہ اگر ایک عمارت میں دو آدمی شریک ہوں اور عمارت گر جائے اور ان میں سے ایک اسے دوبارہ تعمیر کرنا چاہے تو دوسرے پر واجب نہیں تعمیر کا ارادہ کرنے والے سے کہا جائے گا کہ تم اس پر خرچ کرو اور اس کو اپنے پاس روک لو جب تک وہ دوسرا اس کی قیمت یا اخراجات ادا نہ کر دے یعنی عمارت کا گرنا ایک ضرر ہے اور اس کو دور کرنے کے لیے دوسرے شخص کو ضرر میں مبتلا نہ کیا جائے۔

تنبیہ نمبر 1

ضرر عام کو دور کرنے کے لیے ضرر خاص کو برداشت کیا جائے اس کی ایک مثال اس طرح ہے۔

کسی شخص کی دیوار شارع عام کی طرف جھک جائے تو اسے توڑنا واجب ہے۔

دوسری مثال۔ مقروض قیدی کا مال صاحبین کے نزدیک فروخت کرنا جائز ہے تاکہ قرض خواہوں سے ضرر کو دور کیا جائے۔

تنبیہ نمبر 2

اگر دو کاموں میں سے ایک کا ضرر دوسرے کے مقابلے میں زیادہ ہو تو ہلکے ضرر کو برداشت کر کے زیادہ ضرر کو دور کیا جائے۔

مثال۔ کسی شخص نے لکڑی غصب کر کے اپنی عمارت میں شامل کر لی تو اگر عمارت کی قیمت زیادہ ہے تو وہ اس لکڑی کی قیمت ادا کر کے اس کا مالک بن جائے اور اگر لکڑی کی قیمت عمارت سے زیادہ ہے تو اس سے مالک کا حق منقطع نہیں ہوگا۔

ضمنی قاعدہ نمبر 4

اگر دو قسم کے فساد میں تعارض ہو اور کسی ایک کو کرنا ضروری ہو تو جو خفیف ترین ہے اس کا ارتکاب کیا جائے اور بڑے فساد کو چھوڑ دیا جائے تاکہ اس کے ضرر سے بچ جائے۔

مثال۔ کسی شخص کو زخم ہو اگر وہ سجدہ کرے تو زخم بہنے لگتا ہے اور سجدہ نہ کرے تو زخم نہیں بہتا تو وہ بیٹھ کر نماز پڑھے اور رکوع اور سجدہ کی جگہ اشارہ کرے۔

یعنی سجدہ کرنے سے وضو ٹوٹتا ھے اور اشارہ کی صورت میں وضو نہیں ٹوٹتا اور وضو کا ٹوٹنا اشارے کے مقابلے میں بڑا فساد ھے لہٰذا اس سے بچنے کے لیے اشارے سے نماز پڑھے۔

کیونکہ حالتِ اختیار میں سجدہ چھوڑنا جائز ھے جیسے سواری پر نماز پڑھتے ہوئے سجدہ ترک کیا جاسکتا ھے لیکن بے وضو ہونے کی حالت میں نماز کسی صورت میں جائز نہیں۔

ضمنی قاعدہ نمبر 5

فساد کو دور کرنا مصالح کے حصول سے زیادہ ضروری ھے یعنی جب فساد اور مصلحت کے درمیان تعارض ہو تو عمومی طور پر فساد کو دور کرنا مقدم کیا جائے کیونکہ شریعت نے مامورات کے مقابلے میں منھیات کا زیادہ خیال رکھا ھے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ما امرتکم بہ فخذوہ وما نھیتکم عنہ فانتھوا (سنن ابن ماجہ، مقدمہ ص ۳)

میں تمہیں جس بات کا حکم دوں اسے اختیار کرو اور جس سے روکوں اس سے میں رک جاؤ۔

مثال۔ کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے میں مبالغہ سنت ھے لیکن روزہ دار کے لیے مکروہ ھے اور طہارت کے وقت بالوں کا خلال، سنت ھے لیکن مُحرِم کے لیے مکروہ ہے۔

اسی طرح اگر عورت پر غسل واجب ہو اور اسے مردوں سے پردے کی جگہ نہ ملے تو اسے موخر کرے۔

ضمنی قاعدہ نمبر 6

حاجت، ضرورت کے قائم مقام ہوتی ھے چاہے وہ عام ہو یا خاص، یہی وجہ ھے کہ اجارہ حاجت کی وجہ سے خلاف قیاس جائز ہے۔

اسی طرح بیع سلم خلاف قیاس جائز ھے کیونکہ یہ معدوم کی بیع ھے لیکن اسے حاجت کی وجہ سے ضروری قرار دے کر جواز کا حکم دیا گیا۔ استصناع کا بھی یہی حکم ھے یعنی جب کوئی چیز بنوائی جاتی ھے اور ابھی وہ موجود نہیں ہوتی لیکن سودا ہو جاتا ہے۔

قاعدہ نمبر 6

العادۃ محکمۃ (عرف دلیل محکم ہے)

اس کی اصل سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے۔

مارآہ المسلمون حسناً فھو عند اللہ حسن

(مستدرک حاکم کتاب معرفۃ الصحابہ 3/78)

جس کام کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اچھا ہوتا ھے یعنی مسلمانوں کی اکثریت اچھا سمجھے اور شریعت اسلامیہ کے خلاف نہ ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اچھا ہے۔ نیز منصوص علیہ میں عرف کا اعتبار نہیں۔

عرف و عادت کی کئی مثالیں ہیں ایک مثال یہ ھے کہ قاضی اگر منصب قضاء پر فائز ہونے سے پہلے کسی سے ہدیہ قبول کرتا تھا تو اس منصب پر فائز ہونے کے بعد بھی ان لوگوں سے ہدیہ قبول کر سکتا ھے بشرطیکہ عادت سے زائد نہ ہو۔ یعنی یہاں عادت کا اعتبار کیا گیا۔

نوٹ نمبر 1: مختلف امور میں عادت کا ثبوت مختلف طریقوں سے ہوتا ھے مثلاً شکاری کتا جب شکار پر چھوڑا جائے اور تین بار ایسا ہو جائے کہ وہ اس شکار سے نہ کھائے بلکہ شکاری تک پہنچائے تو وہ سدھایا ہوا کہلائے گا۔

نوٹ نمبر 2: عادت کا اعتبار اس وقت ہوگا جب وہ غالب اور عام ہو۔

مثلاً اگر کسی نے درہم اور دینار کے بدلے میں کوئی چیز فروخت کی اور شہر میں مختلف مالیت کے دراہم اور دیناروں کا رواج ھے تو اس سے وہ سکہ مراد ہوگا جس کا استعمال غالب ہو کیونکہ وہی متعارف ہے۔

عرف اور شرع کا تعارض

اس سے مراد یہ ھے کہ جب قرآن وسنت میں کوئی لفظ استعمال ہو لیکن عرف میں اس کا استعمال نہ ہو تو عرف کا اعتبار کیا جائے گا مثلاً کسی شخص نے قسم کھائی کہ وہ فراش یا بساط (بچھونے) پر نہیں بیٹھے گا تو زمین پر بیٹھنے سے حانث نہیں ہوگا حالانکہ قرآن پاک میں زمین کو فراش اور بساط کہا گیا ھے

لیکن عرف میں اس سے دری اور کپڑا وغیرہ مراد ہے لہٰذا عرف کو ترجیح ہوگی۔

اسی طرح اگر وہ کہے کہ سراج (چراغ) سے روشنی حاصل نہیں کرے گا تو سورج سے روشنی حاصل کرنے سے حانث نہیں ہوگا بلکہ چراغ مراد ہوگا حالانکہ قرآن پاک میں سورج کو سراج کہا گیا لیکن عرف میں سورج مراد نہیں۔

اگر قسم کھائی کہ لحم (گوشت) نہیں کھائے گا تو مچھلی کا گوشت کھانے سے حانث نہیں ہوگا حالانکہ مچھلی کے گوشت کو قرآن پاک میں لحم کہا گیا ہے لیکن عرف میں اس سے مچھلی کا گوشت مراد نہیں ہوتا۔

نوٹ: اسی طرح قسموں میں عرف کا اعتبار ہوتا ہے لغوی معنی کا نہیں۔

مثلاً اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ خبز (روٹی) نہیں کھائے گا تو قاہرہ میں (اسی طرح پاکستان وغیرہ میں) گندم کی روٹی کھانے سے حانث ہوگا لیکن طبرستان میں چاول کی روٹی کھانے سے حانث ہوگا یعنی لفظ خبز کے لغوی معنی کی بجائے عرف کا اعتبار ہوگا کس جگہ روٹی کا کس طرح استعمال ہے۔

اسی طرح قسم کھائی کہ بیت (گھر) میں داخل نہیں ہوگا تو بیت اللہ شریف میں داخل ہونے سے حانث نہیں ہوگا کیونکہ بیت کے لغوی معنی کی بجائے عرف کا اعتبار ہوگا اور خانہ کعبہ کو عرف میں بیت (گھر) نہیں کہا جاتا۔

کیا غالب عرف شرط کے قائم مقام ہوتا ہے

فتاویٰ ظہیریہ کی بحث اجارہ میں ہے "والمعروف عرفا کالمشروط شرعا" جو چیز عرف میں معروف ہو وہ شرعی طور پر مشروط کی طرح ہے۔

مثلاً۔ درزی کو کپڑا دیا کہ وہ اس کی سلائی کرے یا رنگریز کو کپڑا رنگنے کے لیے دیا اور اجرت مقرر نہیں کی پھر اجرت دینے یا نہ دینے میں اختلاف ہو گیا اور عرف کے مطابق اجرت دی جاتی ہے تو کیا یہ عرف شرط کے قائم ہوگا یعنی یوں سمجھا جائے کہ اجرت کی شرط رکھی گئی تھی تو اس میں اختلاف ہے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کے لیے اجرت نہیں ہوگی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر وہ درزی یا رنگریز پیشہ ور ہے یعنی وہ اجرت پر کام کرتا ہے تو اس کے لیے اجرت ہوگی ورنہ نہیں اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر درزی یا رنگریز اجرت کے ساتھ یہ کام کرنے کے

ساتھ معروف ہیں اور یہ صورت موجود ہے تو اس کا قول معتبر ہوگا ورنہ ظاہر عرف کا اعتبار نہ ہوگا۔

حضرت امام زیلعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

فتویٰ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے۔

یہ ایک مثال ہے ورنہ ہر عمل کے لیے یہی حکم ہے۔

نوٹ: جس عرف پر الفاظ کو محمول کیا جاتا ہے وہ سابق مقارن ہو طاری نہ ہو اسی لیے معاملات میں عرف کا اعتبار ہوتا ہے تعلیق (معلق یا شرط) میں اعتبار نہیں ہوتا۔

تنبیہ

کیا احکام کی بنا میں عرف عام کا اعتبار ہوتا ہے یا مطلق عرف کا چاہے وہ خاص ہو بزازیہ میں ہے کہ عام حکم، خاص عرف سے ثابت نہیں ہوتا۔

اور مذہب یہی ہے کہ عرف خاص کا اعتبار نہیں ہوگا لیکن اکثر مشائخ نے اس کا اعتبار کیا ہے اور اس پر فتویٰ دیا القنیہ میں ہے کہ اگر قرض دینے والا قرض طلب کرنے والے کو اجرت پر حاصل کرے تو وہ عرف جس کے ساتھ احکام ثابت ہوتے ہیں وہ (عرف) بعض حضرات کے نزدیک ایک خاص شہر والوں کے عرف سے ثابت نہیں ہوتا اور کچھ حضرات کے نزدیک ثابت ہوتا ہے لیکن بعض حضرات کے نزدیک اگرچہ ثابت ہوتا ہے لیکن کچھ اہل بخارا نے اسے جاری کیا البتہ عرف مطلق نہیں۔

قاعدہ نمبر 7

الاجتهاد لا ينتقض بالاجتهاد ۔ایک اجتہاد دوسرے اجتہاد سے نہیں ٹوٹتا۔

یعنی جب ایک اجتہاد سے کوئی فیصلہ ہو جائے تو دوسرے اجتہاد سے وہ فیصلہ نہیں ٹوٹے گا۔

یہ بات اجماع سے ثابت ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کئی مسائل میں فیصلے کیے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اجتہاد ان فیصلوں کے خلاف تھا لیکن اس اجتہاد کا حکم نہیں ٹوٹا۔

اس کی علت یہ ہے کہ دوسرا اجتہاد پہلے سے زیادہ قوی نہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کوئی حکم مستقل نہ ہوگا حالانکہ اس اجتہاد میں سخت مشقت برداشت کی جاتی ہے اس قاعدہ کی ایک فرع یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو قبلہ معلوم نہ ہو اور وہ تحری (سوچ و بچار) کے بعد چار رکعتیں چاروں سمتوں کی طرف پڑھے

تو قضاء لازم نہیں ہوگی۔

کیونکہ چاروں میں تحری (اجتہاد) ہے اور ہر دوسرے اجتہاد نے پہلے کو نہیں توڑا۔

دوسری مثال۔ اگر قاضی نے فاسق کی شہادت رد کرتے ہوئے فیصلہ کیا پھر فاسق نے توبہ کر لی اور دوبارہ گواہی دی تو قبول نہ کی جائے بعض حضرات نے اس کی علت یوں بیان کی ہے کہ توبہ کے بعد اس کی شہادت کو قبول کرنا ایک اجتہاد کو دوسرے اجتہاد سے توڑنے کو شامل ہے۔

نوٹ نمبر 1: اگر حاکم کوئی فیصلہ کرے پھر اس کا اجتہاد بدل جائے تو پہلا فیصلہ نہیں ٹوٹے گا البتہ مستقبل میں وہ اس دوسرے اجتہاد سے فیصلے کرے۔

نوٹ نمبر 2: یہ بات اس اجتہاد کے بارے میں ہے جو اجماع کے خلاف نہ ہو اور صحیح ہو اس لیے اگر قاضی کا فیصلہ اجماع ظاہر کے خلاف ہو تو وہ نافذ نہیں ہوگا اور ائمہ اربعہ کی مخالفت بھی اجماع کے خلاف ہے۔

نوٹ نمبر 3: واقف (وقف کرنے والے) کی شرط کے خلاف فیصلہ کرنا اسی طرح ہے جیسے نص کے خلاف ہو اور یہ نافذ نہیں ہوگا کیونکہ علماء کرام فرماتے ہیں واقف کی شرط شارع کی نص کی طرح ہے۔

قاعدہ نمبر 8

اذا اجتمع الحلال و الحرام غلب الحرام (جب حلال وحرام جمع ہوں تو حرام کو غلبہ حاصل ہوگا)

اس قاعدہ کا مطلب یہ ہے کہ جب ایک چیز کے بارے میں دو دلیلیں ہوں ایک سے اس کا حلال ہونا اور دوسری سے حرام ہونا ثابت ہو تو حرام والی دلیل غالب ہوگی اور احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ اسے ترک کیا جائے۔

حدیث شریف میں ہے ما اجتمع الحلال والحرام الاغلب الحرام الحلال (المقاصد الحسنہ للسخاوی رحمۃ اللہ علیہ ص 941)

جب حلال وحرام جمع ہوں تو حرام، حلال پر غالب ہوتا ہے علماء کرام فرماتے ہیں اسی قاعدہ کے فروع سے ہے کہ جب دو دلیلوں میں تعارض ہو ان میں سے ایک تحریم کو چاہتی ہو اور دوسری اباحت

کو تو دلیل تحریم کو مقدم کیا جائے اصولی اس کی علت یوں بیان کرتے ہیں کہ اس طرح تسخ کم ہوگا کیونکہ اگر مبیح (دلیل) کو مقدم کیا جائے تو نسخ کا تکرار ہوگا کیونکہ اشیاء میں اصل اباحت ہے جب مبیح (دلیل) موخر ہوگی تو دلیل تحریم، اباحت اصلیہ کے لیے ناسخ ہوگی پھر مبیح دلیل کے ساتھ وہ منسوخ ہوگی اور اگر دلیل تحریم کو متاخر قرار دیں تو محرم دلیل، اباحت اصلیہ کے لیے ناسخ ہوگی اور مبیح کسی چیز کو منسوخ نہیں کرے گی کیونکہ وہ اصل کے موافق ہے۔

مثال۔ ایک حدیث میں ہے:

"لك من الحائض ما فوق الازار (سنن ابی داؤد کتاب الطھارۃ باب فی المذی جلد اول، ص40)

تمھارے لیے حائضہ عورت سے ازار کے اوپر اوپر جائز ہے۔

دوسری حدیث میں ہے "اصنعوا کل شی الا النکاح" (صحیح مسلم کتاب الطھارۃ باب الحیض 211/3) جماع کے علاوہ ہر عمل کر سکتے ہو۔

پہلی حدیث کا تقاضا ہے کہ ناف اور گھٹنے کے درمیان کا استعمال حرام ہے اور دوسری حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ وطی کے علاوہ سب کچھ جائز ہے تو احتیاط کے طور پر تحریم کو ترجیح دی گئی حضرت امام ابو یوسف، امام مالک اور امام شافعی رحمھم اللہ کا یہی قول ہے۔

اسی طرح اگر مُعلّم کتے کے ساتھ غیر معلّم یا مجوسی کا کتا یا ایسا کتا جس کو شکار پر چھوڑتے وقت جان بوجھ کر تکبیر چھوڑی گئی، شریک ہو جائے تو وہ شکار حرام ہوگا یعنی تحریم کو اباحت پر ترجیح ہوگی۔

ضمنی قاعدہ

اس قاعدہ کے ضمن میں یہ قاعدہ بھی داخل ہے کہ جب مانع اور مُقتضی کا تعارض ہو تو مانع مقدم ہوگا مثلاً وضو کی سنتیں ادا کرنے سے وقت تنگ ہو یا پانی کم ہو تو ان کو ادا کرنا حرام ہوگا۔

اسی طرح اگر دو زخم ہوں ایک قصداً اور دوسرا خطاءً لگایا گیا اور وہ بندہ مر گیا تو قصاص نہیں ہوگا کیونکہ خطاء سے لگایا گیا زخم قصاص سے مانع ہے اور اس کو ترجیح حاصل ہوگی۔

قاعدہ نمبر 9

هل یکره الایثار بالقُرَب (کیا عبادات میں دوسروں کو ترجیح دینا مکروہ ہے)

مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتا ہے قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے:

ویوثرون علی انفسهم و لو کان بهم خصاصة (سورۃ حشر، آیت 9)

اور وہ (دوسروں کو) اپنی جانوں پر مقدم رکھتے ہیں اگرچہ خود انہیں شدید حاجت ہو۔

اس بنیاد پر عبادات اور ذاتی مسائل میں فرق کیا جاتا ہے یعنی وہ کام جن میں قرب خداوندی کا حصول مقصود ہے ان میں دوسروں کو ترجیح دینا مکروہ ہے اور ذاتی مسائل میں دوسروں کو ترجیح دینا اچھی بات ہے۔

شیخ عزالدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اگر کسی شخص کے پاس صرف اپنے وضو کے لیے پانی ہو اور وہ دوسرے آدمی کو دے دے، ستر عورت کے لیے کپڑا ہو اور وہ دوسرے کو دے دے اسی طرح پہلی صف میں دوسرے شخص کو جگہ دے تو یہ ایثار جائز نہیں کیونکہ عبادات کی غرض تعظیم خداوندی ہے اور ان صورتوں میں ایثار کرنے میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم کو ترک کرنا ہے۔

ہاں کوئی شخص حالت اضطرار میں ہو اور سخت بھوک کا شکار ہو اور وہ دوسرے مجبور شخص کو کھانا دے تو اس طرح کا ایثار کر سکتا ہے۔

شرح مہذب میں ہے کہ جمعہ کے دن (مثلاً) کسی شخص کو اس کی جگہ سے اُٹھانا جائز نہیں البتہ وہ خود اُٹھ کر دوسرے آدمی کو جگہ دے تو ایسا ہو سکتا ہے بشرطیکہ امام کے قریب رہے کسی طالب علم کی سبق کی باری ہو اور وہ دوسرے کو ترجیح دے تو یہ بھی مکروہ ہے کیونکہ یہ قربت ہے اور قربت میں ایثار مکروہ ہے۔

قاعدہ نمبر 10

التابع تابع (تابع، احکام میں تابع ہوتا ہے)

اس قاعدہ کے تحت چند ضمنی قواعد ہیں۔

1۔تابع کا انفرادی حکم نہیں ہوتا مثلاً جانور کے پیٹ کا حمل اصل کے تابع ہو کر فروخت ہوتا ھے اس کا الگ سودا نہیں ہوتا۔

2۔متبوع کے ساقط ہونے سے تابع بھی ساقط ہو جاتا ھے جیسے مجنون سے جب ادائے نماز ساقط ہو جائے تو قضا بھی ساقط ہو جاتی ھے اسی طرح سنن موکدہ بھی ساقط ہو جاتی ہیں۔

اسی ضمن میں یہ قاعدہ بھی ھے کہ اصل کے ساقط ہونے سے فرع ساقط ہو جاتی ھے جیسے اصل (مثلاً مقروض) کو بری الذمہ قرار دیا جائے تو کفیل بھی بری الذمہ ہو جاتا ہے۔

3۔تابع ،متبوع پر مقدم نہیں ہوگا اسی لیے تکبیر افتتاح اور ارکان نماز میں مقتدی ،امام سے مقدم نہیں ہو سکتا۔

4۔تابع کے غیر میں کوئی چیز قابل قبول نہیں ہوتی جو تابع میں قبول ہو جاتی ھے اس کی مثال یہ ھے کہ کسی شخص نے غلام غصب کیا اور وہ اس کے قبضہ سے بھاگ گیا اور مالک نے جب اس سے تاوان لے لیا تو غاصب اس کا مالک ہو جائے گا اور اگر وہ قصداً خریدتا تو جائز نہ ہوتا۔

یعنی وہ تاوان کے ضمن میں مالک ہو سکتا ھے لیکن خریدنے سے مالک نہیں بن سکتا۔

قاعدہ نمبر 11

تصرف الامام علی الرعیة منوط بالمصلحة (حکمرانوں کا تصرف رعایا کی بھلائی پر مبنی ہونا چاہیے)

یعنی حاکم جس بات کو رعایا کے لیے مناسب سمجھے اسے اختیار کرے حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الخراج میں کئی جگہ صراحت سے ذکر کیا اور کتاب الجنایات میں بھی صراحتاً فرمایا۔

جس مقتول کا ولی نہ ہو تو حاکم اس کے قاتل کو معاف نہیں کر سکتا یا تو قصاص لے سکتا یا صلح کر سکتا ہے۔

الایضاح میں اس کی علت یوں بیان کی گئی کہ حاکم کا تقرر شفقت کی خاطر ہوتا ھے اور قاتل کو معاف کرنا شفقت نہیں۔

اس ضابطہ کی اصل حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے آپ فرماتے ہیں۔

انی انزلت نفسی بمنزلة ولی الیتیم ان اجتحت اخذت منه فاذا ایسرت ردته وان استغنیت استعففت (سنن بیہقی جلد 6 ص 5 باب من قال بقضیۃ ازاالیسر)

میں اپنے آپ کو یتیم کے ولی کی طرح سمجھتا ہوں اگر مجھے حاجت ہو تو لے لیتا ہوں پھر جب آسانی ہوتی ہے تو واپس کرتا ہوں اور اگر ضرورت نہ ہو تو اجتناب کرتا ہوں آپ نے قرآن پاک کی اس آیت سے استدلال کیا۔

ومن کان غنیا فلیستعفف ومن کان فقیرا فلیاکل بالمعروف (سورۃ نساء آیت 6)

اور جو شخص مالدار ہو تو وہ (یتیم کے مال سے) بچتا رہے اور جو فقیر ہو وہ مناسب طریقے سے کھائے۔

وظائف کی تقسیم میں حاکم کی صوابدید

اس ضابطہ کے تحت حاکم کو اپنی رعایا کے لیے وظائف وغیرہ کی تقسیم میں مصلحت کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے وظائف کی تقسیم میں برابری کا طریقہ اختیار فرمایا اور کسی سبب سے کسی کو کسی دوسرے پر فضیلت نہیں دی۔

آپ سے عرض کیا گیا کہ کچھ لوگوں کو اسلام لانے میں سبقت اور فضیلت حاصل ہے اگر آپ ان کی فضیلت کی وجہ سے ان کو زیادہ دیں تو اچھا ہے آپ نے فرمایا:

ان کو اس کا ثواب بارگاہ خداوندی سے حاصل ہوگا اور یہ معاش کا مسئلہ ہے اس میں کسی کو کسی پر ترجیح دینے کی بجائے برابری بہتر ہے۔

جب کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ اس فضیلت کو پیش نظر رکھتے تھے چنانچہ آپ نے سابقین کے لیے چار چار ہزار درہم وظیفہ مقرر فرمایا یہ غزوہ بدر میں شریک ہوئے یا نہ اور دیگر حضرات کے لیے کم وظیفہ مقرر فرمایا۔

القنیہ کے باب "ما یحل للمدرس والمتعلم" میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیت المال سے عطیات دینے میں لوگوں میں مساوات قائم فرماتے تھے۔

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تین چیزوں کو پیش نظر رکھتے تھے

(1) حاجت (2) فقہ (3) فضیلت یعنی حاجت مند کو غیر حاجت مند کے مقابلے میں زیادہ دیتے۔ عالم فقہ کو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ عطا فرمائے اور جسے اسلام اور تقویٰ وغیرہ میں زیادہ فضیلت حاصل تھی اسے زیادہ عطا فرماتے۔

علماء کرام فرماتے ہیں ہمارے زمانے میں ان تین امور کو پیش نظر رکھنا زیادہ اچھا ہے۔

تنبیہ نمبر 1

جب حاکم کا فعل مصلحت پر مبنی ہے اور وہ امور عامہ سے متعلق ہے تو شرعی طور پر وہ اس وقت جائز ہوگا جب شریعت کے موافق ہو۔

اسی لیے حضرت امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حاکم کسی شخص کے قبضہ سے کوئی چیز اس وقت تک نکال نہیں سکتا جب تک وہ حق کے مطابق ثابت اور معروف نہ ہو۔

تنبیہ نمبر 2

قاضی، یتیموں کے مال، ترکہ اور اوقاف میں جو تصرف کرے تو وہ بھی مصلحت کے ساتھ مقید ہے اگر ایسا نہ ہو تو وہ تصرف جائز نہیں۔

شرح تلخیص الجامع کی کتاب الوصایا میں فرمایا گیا کہ کسی شخص نے وصیت کی کہ اس کے تہائی حصہ مال سے غلام خرید کر آزاد کیا جائے اس حکم اور وصیت کے بعد ظاہر ہوا کہ اس شخص پر اتنا قرض ہے جو دو تہائی مال کو گھیرتا ہے تو اس کے بعد قاضی کا موصی کی طرف سے غلام خریدنا تا کہ وہ فریق مخالف بن کر ادائیگی کا ذمہ دار نہ ہو اور غلام کو آزاد کرنا دونوں کام لغو ہوں گے۔

نوٹ: واقف کی شرط کے خلاف فیصلہ کرنا باطل قضاء میں سے ہے کیونکہ واقف کی شرط کی مخالفت نص کی مخالفت کی طرح ہے۔

قاعدہ نمبر 12

الحدود تُدرأ بالشبهات (شبہات کی وجہ سے حدود کو ساقط کر دیا جائے)

اس قاعدہ کا مطلب یہ ہے کہ حدود میں جب شبہ پیدا ہو جائے تو حدود نافذ نہ کی جائیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا

ادرؤا الحدود عن المسلمین ما استطعتم فان کان له مخرجا فخلوا سبیله فان الامام ان یخطئی فی العفو خیر من ان یخطئی فی العقوبة (جامع ترمذی کتاب الحدود باب ماجاء فی درء الحدود، جلد اوّل، ص395)

جس قدر ممکن ہو مسلمانوں سے حدود کو دور کرو پس اگر تم اس کے لیے کوئی راستہ پاؤ تو اس کا راستہ چھوڑ دو اگر حاکم معاف کرنے میں غلطی کرے تو یہ اس کے سزا دینے میں غلطی کرنے سے بہتر ہے۔

تمام ممالک کے فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شبہات کی وجہ سے حدود ساقط کی جائیں۔

شبہ

جو بات، ثابت کے مشابہ ہو لیکن ثابت نہ ہو اسے شبہ کہتے ہیں۔

شبہ کی اقسام

شبہ کی دو قسمیں ہیں۔

(1) شبہ بالفعل۔ اس کو شبہۃ الاشتباہ بھی کہتے ہیں۔

(2) شبہۃ فی المحل۔

پہلی صورت میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ فعل حلال ہے یا حرام لہٰذا غیر دلیل کو دلیل گمان کیا جاتا ہے لہٰذا یہ ظن ضروری ہے ورنہ شبہ بالکل نہیں ہوگا۔

مثلاً کوئی شخص اپنی بیوی، اپنے باپ، اپنی ماں، اپنے دادا یا دادی وغیرہ کی لونڈی سے وطی کرے تو ان صورتوں میں حد نافذ نہیں ہوگی جب وہ کہے کہ میرے گمان میں یہ میرے لیے حلال تھی اور اگر کہے کہ میں نے اسے حرام سمجھتے ہوئے وطی کی تو حد واجب ہوگی۔

دوسری صورت یعنی شبہ فی المحل میں حد نافذ نہیں ہوگی اگرچہ وہ کہے کہ مجھے معلوم ہے کہ یہ حرام ہے۔ شبہ فی المحل چھ مقامات میں ہوتا ہے۔

بیٹے کی لونڈی سے وطی کرنا، طلاق بائنہ جو کنایہ الفاظ سے طلاق دی گئی کی صورت میں مطلقہ سے وطی کرنا، فروخت شدہ لونڈی کو مشتری کے سپرد کرنے سے پہلے اس سے وطی کرنا، خاوند اپنی لونڈی کو

بیوی کا مہر قرار دے اور بیوی کو سپرد کرنے سے پہلے اس سے وطی کرے وطی کرنے والے اور دوسرے آدمی کے درمیان مشترکہ لونڈی سے وطی کرنا مرہونہ لونڈی سے مرتھن کا وطی کرنا۔ ان صورتوں میں حد نافذ نہیں ہوگی کیونکہ وطی کرنے والے کا خیال یہ ھے کہ یہ لونڈی اس کی ملکیت ھے لہذا محل میں شبہ پیدا ہو گیا۔

شبہ العقد۔ یعنی عقد نہیں ہوا لیکن عقد کا شبہ ہوا یہ شبہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک ھے اگر گواہوں کے بغیر نکاح ہوا اور نکاح کرنے والے کو یہ شبہ ھے کہ عقد ہو گیا ھے اور وہ وطی کرے تو حد نافذ نہیں ہوگی حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک اگر اس کے علم میں ھے کہ یہ حرام ھے تو بھی حد نافذ نہیں ہوگی۔

جب کہ صاحبین فرماتے اگر وہ کھے کہ مجھے معلوم ھے کہ یہ حرام ھے تو اس صورت میں حد نافذ ہوگی فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔

تنبیہ

شبھات کی وجہ سے قصاص بھی دور کیا جاتا ھے اور اس حوالے سے وہ حدود کی طرح ھے اور جو چیز حدود کے ثبوت کے لیے ضروری ھے وہی قصاص کے لیے بھی ضروری ھے۔

اس کی مثال۔ کسی شخص نے سوئے ہوئے آدمی کو قتل کیا اور کہا کہ میں نے میت سمجھتے ہوئے اسے قتل کیا ھے تو شبہ کی وجہ سے قصاص ساقط ہو جائے گا اور دیت لازم ہوگی۔

سات مسائل جن میں قصاص، حدود کی طرح نہیں

1۔ قصاص میں قاضی اپنے علم کے مطابق فیصلہ کر سکتا ھے حدود میں نہیں۔
2۔ حدود میں وراثت نہیں ہوتی قصاص میں ہوتی ہے۔
3۔ حدود معاف نہیں ہو سکتیں قصاص میں معافی ہے۔
4۔ قتل کی گواہی میں وقت کا زیادہ گزرنا رکاوٹ نہیں حدود میں رکاوٹ ھے حد قذف مستثنیٰ ہے۔
5۔ گونگے شخص کی طرف سے اشارہ اور تحریر سے قصاص ثابت ہوتا ھے، حدود ثابت نہیں ہوتیں۔
6۔ حدود میں سفارش جائز نہیں قصاص میں جائز ہے۔

7۔ حد قذف کے علاوہ حدود دعویٰ پر موقوف نہیں جب کہ قصاص میں دعویٰ ضروری ہے۔

تعزیر

تعزیر، شبہ کے ساتھ ثابت ہوتی ہے اسی لیے علماء کرام فرماتے ہیں کہ جس دلیل سے مال ثابت ہوتا ہے، تعزیر بھی ثابت ہوتی ہے اس میں قسم بھی جاری ہوتی اور مدعی علیہ کے انکار پر بھی فیصلہ ہوتا ہے اور ماہ رمضان میں روزہ توڑنے کے کفارہ کے علاوہ باقی کفارات بھی شبہ سے ثابت ہو جاتے ہیں۔

قاعدہ نمبر 13

الحر لایدخل تحت الید فلا یضمن بالغصب ولو صبیا

آزاد انسان کسی کی ملکیت نہیں ہوتا لہٰذا اسے غصب کیا جائے تو ضمان نہیں ہوگی اگرچہ وہ بچہ ہو۔

اس قاعدہ کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر کوئی بچہ غصب کیا گیا پھر وہ غاصب کے پاس اچانک یا بخار (وغیرہ) کی وجہ سے مر گیا تو غاصب پر ضمان نہیں ہوگی۔

سوال: اگر وہ مغصوب بجلی کی کڑک یا سانپ کے نوچنے یا اس جگہ کی طرف منتقل کرنے جہاں درندے ہیں یا بجلی کی گرج چمک ہے یا ایسی جگہ منتقل کرنے سے ہلاک ہو جائے جہاں بخار اور دیگر بیماریاں ہیں تو اس کی دیت غاصب کی عاقلہ پر ہوگی (گویا غاصب پر ضمان ہے)

جواب: دیت کا وجوب ضمان اتلاف ہے ضمان غصب نہیں ہے اور آزاد آدمی کی ضمان اتلاف کی صورت میں ہے جب کہ غلام کی ضمان دونوں (اتلاف اور غصب) کی صورت میں ہوتی ہے اور مکاتب غلام، آزاد آدمی کی طرح ہے غصب کی وجہ سے اس کی ضمان نہیں ہوتی اگرچہ وہ نابالغ بچہ ہو۔

قاعدہ نمبر 14

اذا اجتمع امران من جنس واحد ولم یختلف مقصودھما دخل احدھما فی الآخر غالبا۔

جب ایک ہی جنس کے دو امور جمع ہوں اور دونوں کا مقصود مختلف نہ ہو تو عام طور پر ان میں

سے ایک، دوسرے میں داخل ہوتا ہے۔

مثال نمبر 1: جب حدث اور جنابت یا جنابت اور حیض اکٹھے ہو جائیں تو ایک غسل کافی ہے۔

مثال نمبر 2: اگر محرم، شرمگاہ کے علاوہ میں جنابت کا مرتکب ہو اور اس پر بکری (دَم) لازم ہو جائے پھر جماع کرے تو جماع سے لازم آنے والا کفارہ دونوں کے لیے کافی ہوگا۔

مثال نمبر 3: اسی طرح اگر کوئی شخص مسجد میں داخل ہو اور فرض نماز یا سنت موکدہ پڑھے تو تحیۃ المسجد اس میں داخل ہو جائے گی۔

مقصود مختلف ہو تو کیا حکم ہوگا

اگر دونوں کی جنس ایک ہو لیکن مقصود مختلف ہو تو ایک کا حکم دوسرے میں داخل نہیں ہوگا۔

مثلاً کسی شخص کے ذمہ طواف افاضہ ہو اور اس نے طواف وداع بھی کرنا ہو تو وہ طواف افاضہ میں داخل نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر مسجد حرام میں داخل ہو کر با جماعت نماز پڑھے تو تحیت بیت اللہ کی نماز اس میں داخل نہیں ہوگی کیونکہ جنس مختلف ہے (تحیۃ المسجد ہو جائے گی)

متعدد جنایات

اگر جنایات متعدد ہوں مثلاً کسی کا کوئی عضو کاٹا پھر اسے قتل کر دیا تو یہاں تداخل نہیں ہوگا (ہر ایک کی سزا الگ ہوگی) مگر جب دو جنایات خطاء کے طور پر ایک ہی جگہ ہوں اور درمیان میں وہ صحیح نہ ہوا تو تداخل ہوگا۔

قاعدہ نمبر 15

إعمال الكلام اولىٰ من إهماله

کلام کو عمل میں لانا اسے مہمل چھوڑنے سے بہتر ہے

یعنی جب کلام پر عمل ممکن ہو تو اس کو عمل میں لانا اسے مہمل قرار دینے سے اولیٰ ہے اگر عمل ممکن نہ ہو تو اسے مہمل قرار دیا جائے۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے اصحاب (احناف) اس بات پر متفق ہیں کہ جب حقیقت متعذرہ ہو تو مجاز کی طرف رجوع کیا جائے (یعنی کلام کو بیکار نہیں کیا جائے گا)

مثال۔ کسی شخص نے قسم کھائی کہ وہ اس درخت سے نہیں کھائے گا تو اس سے اس کا پھل یا اس کو فروخت کرنے کے بعد اس رقم سے جو کچھ خریدا جائے وہ مراد ہوگا اور اس کے کھانے سے حانث ہوگا۔

کیونکہ درخت کو کھانا مشکل ہے اور کلام کو مہمل بھی قرار نہیں دیا جائے گا لہٰذا مجازی معنی مراد ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ آٹا نہیں کھائے گا تو اس سے مراد روٹی ہوگی اور روٹی کھانے سے وہ حانث ہو جائے گا۔

اگر وہ بعینہٖ درخت یا آٹا کھائے تو حانث نہیں ہوگا کیونکہ حقیقت اور مجاز جمع نہیں ہوتے۔

نوٹ: جب حقیقت اور مجاز دونوں پر عمل نہ ہو سکے یا لفظ مشترک ہو اور کسی ایک معنی کے لیے کوئی مرجح بھی نہ ہو تو اس وقت کلام مہمل یعنی بے کار ہو جائے گا۔

مثال۔ اگر کسی شخص کی بیوی کا والد معلوم و معروف ہو اور خاوند کہے "یہ میری بیٹی ہے" تو وہ اس پر حرام نہیں ہوگی یعنی یہ کلام مہمل ہوگا کیونکہ حقیقی معنی مراد نہیں ہو سکتا اس لیے کہ اس عورت کا نسب معروف ہے اور اس کا باپ دوسرا شخص ہے اور مجازی معنی یعنی اس کا آزاد کرنا بھی مراد نہیں لے سکتے کیونکہ وہ لونڈی نہیں بلکہ آزاد ہے۔

مشترک کی مثال۔ لفظ موالی معتِق (تاء کے نیچے کسرہ) آزاد کرنے والا اور معتَق (تاء کے فتح کے ساتھ) جس کو آزاد کیا گیا دونوں پر بولا جاتا ہے۔

اگر کسی شخص نے اپنے موالی کے لیے وصیت کی اور وہ دونوں قسم کے ہیں اور کوئی ایسا قرینہ موجود نہیں جس سے کسی ایک کو ترجیح حاصل ہو تو یہ کلام مہمل ہوگا۔

اور اگر اس کے موالی صرف آزاد کردہ ہوں اور ان کے بھی موالی ہوں یعنی جن کو انھوں نے آزاد کیا تو یہاں کلام مہمل نہیں ہوگا بلکہ حقیقی معنی مراد ہوگا یعنی جو اس نے براہِ راست آزاد کیے ہیں جو ان آزاد کردہ نے آزاد کیے تو مراد نہیں ہوں گے کیونکہ حقیقت متعذرہ نہیں اور حقیقت اور مجاز جمع بھی نہیں ہو سکتے۔

نوٹ: حقیقت مہجورہ کا بھی وہی حکم ہے جو حقیقت متعذرہ کا ہے مثلاً گھر میں قدم رکھنے کا حقیقی معنی چھوڑ دیا گیا اور اس سے مجازی معنی یعنی داخل ہونا مراد لیا گیا لہٰذا پیدل داخل ہو یا سواری پر، قسم کی صورت میں حانث ہو جائے گا۔

ضمنی قاعدہ

اسی قاعدہ کے ضمن میں یہ قاعدہ بھی ھے کہ "التاسیس اولیٰ من التاکید" تاسیس، تاکید سے اولیٰ ھے یعنی جب لفظ میں پہلے معنیٰ کی تاکیداور نئے معنیٰ کا احتمال ہوتو نیا معنیٰ لینا زیادہ بہتر ہے۔

مثال۔ کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا انت طالق طالق طالق۔ تو اس میں یہ بھی احتمال ھے کہ دوسرے دو لفظوں سے پہلے والی طلاق مراد ہو اس لیے ہمارے فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اگر طلاق دینے والا کھے کہ میں نے تاکید کا ارادہ کیا ھے تو دیانۃً یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی بات تسلیم کی جائے گی لیکن قاضی کے ہاں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔

قاعدہ نمبر 16

الخراج بالضمان خراج، ضمان کے بدلے میں ہے۔

خراج آمدنی کو کہتے ہیں اور ضمان کا معنیٰ تاوان یا چٹی ہے۔

مثلاً کسی شخص نے غلام خریدا اور اس نے کوئی جرم کیا تو اس کا تاوان خریدار کے ذمہ ہوگا تو اس کے غلام نے جو کچھ کمایا وہ بھی اس خریدار کا ہوگا۔

یہ عنوان ایک صحیح حدیث سے لیا گیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ھے کہ

ایک شخص نے غلام خریدا تو جس قدر اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ اس کے پاس رہا پھر اس نے اس میں عیب پایا اور وہ اپنا مقدمہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں لے گیا آپ نے اسے واپس کرنے کا حکم دیا اس شخص (بائع) نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس نے میرے غلام سے کام لیا ھے (یعنی اس نے اسے مال کما کر دیا ہے) آپ نے فرمایا خراج ضمان کے بدلے میں ہے۔ (سنن ابی داؤد باب من اشتریٰ عبداً فاستعملہ ثم وجد بہ عیبا جلد 2، ص 140)

حضرت ابوعبید فرماتے ہیں اس حدیث میں خراج سے مراد غلام کی کمائی ھے کہ کوئی شخص غلام خریدتا ھے اور ایک عرصہ تک اس سے کام لیتا ھے پھر وہ عیب پر مطلع ہو کر بائع کو بتاتا ھے تو وہ اسے واپس کر کے تمام ثمن واپس لے گا اور اس کی تمام کمائی بھی اس (خریدنے والے) کے لیے ہوگی کیونکہ وہ اس کی ضمان میں ھے اگر وہ ہلاک ہوتا تو اسی کے حساب میں ہلاک ہوتا۔

خراج کیا ہے

کسی چیز سے جو کچھ حاصل ہوتا ھے وہ اس کا خراج ھے درخت کا خراج اس کا پھل ھے اور حیوان کا خراج اس کا دودھ اور نسل ہے۔

سوال: اگر خراج ضمان کے مقابلے میں ہو تو مشتری کے قبضہ کرنے سے پہلے مبیع میں جو اضافہ ہوتا ھے وہ بائع کے لیے ہونا چاہیے عقد پورا ہو یا فسخ کیونکہ مبیع، بائع کی ضمان میں ہوتا ھے لیکن اس بات کا کوئی قائل نہیں۔

جواب: خراج کی علت مِلک ھے وہ قبضہ سے پہلے ہو یا بعد اور ضمان بھی اسی کے ساتھ ھے لیکن حدیث شریف میں ضمان کے ساتھ تعلیل پر اکتفاء کیا گیا (مِلک کا ذکر نہیں کیا گیا)

سوال: اگر غلہ (خراج) ضمان کے ساتھ ہو تو لازم آئے گا کہ زوائد غاصب کے لیے ہوں کیونکہ اس کی ضمان دوسروں کی ضمان سے زیادہ سخت ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے جو یہ بات فرمائی ھے کہ غاصب، منافع غصب کا ضامن نہیں ہوتا ھے اس سے استدلال کیا گیا۔

جواب: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ضمان مِلک میں یہ فیصلہ فرمایا اور خراج اس کے لیے قرار دیا جو اس کا مالک ھے جب اس کی ملک میں تلف ہو اور وہ مشتری ھے اور غاصب، مغصوب کا مالک نہیں ہوتا ھے لہٰذا اس قاعدہ کے خلاف یہ سوال درست نہیں۔

قاعدہ نمبر 17

السوال مُعا د فی الجواب سوال جواب میں لوٹ کر آتا ہے۔

یعنی جب کسی سوال کے جواب میں صرف ہاں یا نہ کی جائے تو وہ اسی سوال سے متعلق ہوتی ھے کسی اور سے اس کا تعلق نہیں ہوتا۔

مثال۔ اگر کسی نے کہا کہ کیا زید کی بیوی کو طلاق ھے اور اس کا غلام آزاد ھے اور اس پر بیت اللہ الحرام کی طرف پیدل چل کر جانا ھے اگر وہ اس گھر میں داخل ہو؟

زید نے کہا ہاں۔ تو زید تعلیق کرنے والا ہوگا یعنی اگر وہ گھر میں داخل ہو تو یہ کام لازم ہو جائیں گے کیونکہ اس نے ان کے بارے میں ہی ہاں کہا ھے اور جواب سوال کے مضمون کے اعادہ کو شامل ہے۔

اور اگر وہ "نعم" یعنی ہاں کی بجائے "اجزت" (میں نے اجازت دی) کہتا تو وہ حالف نہ ہوتا یعنی وہ تعلیق کرنے والا نہ ہوتا۔

اسی طرح اگر بیوی نے سوال کیا کہ کیا میں طلاق والی ہوں (انا طالق) اس نے کہا ہاں تو طلاق ہو جائے گی۔

قاعدہ نمبر 18

لا ینسب الی ساکت قول خاموش آدمی کی طرف قول منسوب نہیں کیا جائے گا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کام کو دیکھ کر خاموش ہو جائے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے اسے قولاً اجازت دی ہے۔

مثال۔ زید نے کسی اجنبی (یعنی جو اس کا وکیل وغیرہ نہیں) کو دیکھا کہ وہ اس کا سامان فروخت کر رہا ہے اور وہ خاموش رہا اور اسے منع نہ کیا تو اس کی خاموشی اس شخص کو وکیل بنانا نہیں ہے اگر قاضی نے بچے یا ایسے شخص کو دیکھا جس کی عقل میں کبھی کبھی فتور ہو یا ان دونوں کے غلاموں کو خرید و فروخت کرتے ہوئے دیکھا اور خاموش رہا تو یہ ان کے لیے تجارت کی اجازت نہیں ہے۔

نوٹ: یہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ بے شمار مسائل ایسے ہیں جن میں خاموشی، بولنے کی طرح ہے بطور نمونہ چند مسائل ذکر کیے جاتے ہیں تفصیل "الاشباہ والنظائر" میں دیکھیں۔

1۔ کنواری لڑکی سے اس کے ولی نے نکاح کے لیے اجازت طلب کی اور وہ خاموش رہی تو یہ اس کے کلام کی طرح ہے اور یہ اجازت ہو گی۔

2۔ کنواری لڑکی کو اس کے نکاح کی اطلاع ملی اور وہ خاموش رہی تو یہ اس کی طرف سے قولی اجازت کی طرح ہے۔

3۔ کسی کو وکیل بنایا اور وہ خاموش رہا تو یہ قبولیت ہے البتہ رد کرنے کے لیے بولنا ضروری ہو گا۔

4۔ کسی شخص کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور لوگ اسے مبارک باد دینے لگے اور وہ خاموش رہا تو یہ خاموشی اس بچے کا اقرار ہے لہٰذا اس کے بعد وہ نفی نہیں کر سکتا۔

5۔ کسی نے زمین فروخت کی اور شفیع (شفعہ کرنے والا) خاموش رہا حالانکہ اسے بیع کا علم ہو چکا تھا تو اس سے شفعہ کا حق ساقط ہو جائے گا۔

قاعدہ نمبر 19

الفرض النفل من الفضل الا فی مسائل چند مسائل کے علاوہ فرض، نفل سے افضل ہے۔

اس قاعدہ کا مفہوم واضح ہے کہ فرض کی اہمیت نفل سے زیادہ ہے البتہ چند مسائل مستثنیٰ ہیں ان میں نفل افضل ہیں وہ درج ذیل ہیں:

1۔ مقروض کو مہلت دینا واجب ہے لیکن اگر وہ تنگ دست ہو تو اس کو قرض سے بری الذمہ قرار دینا افضل ہے حالانکہ یہ مستحب ہے۔

2۔ جواب دینا واجب ہو اور ابتداء کرنا سنت ہو تو سنت افضل ہے۔

مثلاً سلام کا جواب دینا واجب ہے اور سلام کرنا سنت ہے لیکن یہاں سنت افضل ہے۔

3۔ نماز کا وقت شروع ہو جائے تو وضو فرض ہو جاتا ہے اور وقت سے پہلے مستحب ہے تو یہ مستحب افضل ہے۔

قاعدہ نمبر 20

ما حرم اخذہ حرم اعطاء ہ جس چیز کا لینا حرام ہے اس کا (کسی کو) دینا بھی حرام ہے۔

یعنی جس چیز کا ہمارے لیے لینا جائز نہیں بلکہ حرام ہے تو دوسرے کو دینا بھی ہمارے لیے جائز نہیں ہوگا۔

مثلاً سُود، زانیہ عورت کی اجرت، کاہن کی اجرت، رشوت، نوحہ کرنے والی عورت کی اجرت (اسی طرح گانے بجانے وغیرہ کی اجرت) دینا لینا دونوں حرام ہیں۔

استثنائی صورتیں

البتہ چند صورتیں مستثنیٰ ہیں۔

مثلاً جان یا مال کا خوف ہو یا بادشاہ اور امیر کے ہاں اپنے معاملے کو درست کرنا ہو (اور رشوت کے بغیر ایسا نہ ہو سکتا ہو) تو ایسی صورت میں رشوت دے سکتا ہے۔ لیکن قاضی کے لیے لینا دینا دونوں حرام ہیں۔

نوٹ: مجبوری کی صورت میں رشوت لینے والا گناہ گار ہوگا دینے والا گناہ گار نہیں ہوگا کیونکہ وہ مجبور

ہے اس کا جائز حق اسے رشوت کے بغیر نہیں مل رہا۔ سود کا بھی یہی حکم ہے۔

ضمنی قاعدہ

اسی قاعدہ کے قریب یہ قاعدہ بھی ہے کہ "ماحرم فعلہ حرم طلبہ" جس کام کا کرنا حرام ہے اس کی طلب بھی حرام ہے، البتہ دو مسئلوں کی استثناء ہے۔

1۔ کسی نے سچا دعویٰ کیا لیکن مقروض نے انکار کر دیا تو وہ اسے قسم دے سکتا ہے۔

یعنی قاعدہ یہ ہے کہ جس طرح قسم اُٹھانا درست نہیں دوسرے سے قسم کا مطالبہ بھی درست نہیں لیکن یہاں درست ہے۔

2۔ ذمی سے جزیہ طلب کرنا جائز ہے جب کہ (مسلمان کے لیے) جزیہ دینا جائز نہیں کیونکہ وہ کفر کا ازالہ اسلام قبول کرنے کے ذریعے کر سکتا ہے اگر اسے جزیہ دیا جائے تو وہ کفر پر ڈٹ جائے گا اور دوام اختیار کرے گا۔

قاعدہ نمبر 21

من استعجل الشی قبل اوانہ عُوقب بحرمانہ

کسی شخص نے کسی چیز کا وقت آنے سے پہلے اس کی جلدی کی تو اسے اس سے محرومی کی سزا دی جائے گی۔

مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی چیز کا مستحق ہے لیکن وہ اسے جلدی حاصل کرنے کے لیے غلط طریقہ اختیار کرتا ہے تو اس کی سزا یہ ہے کہ وہ اس چیز سے محروم ہو جائے گا۔

مثلاً۔ اگر وارث اپنے مورث کو قتل کرے تو اسے وراثت میں سے حصہ نہیں ملے گا جیسے باپ اپنے بیٹے کو یا بیٹا اپنے باپ کو قتل کرے تو قاتل، مقتول کی میراث سے محروم ہو جائے گا۔

اسی طرح اگر مرد اپنی مرض الموت میں بیوی کو قصداً تین طلاقیں دے تا کہ وہ وراثت سے محروم ہو جائے تو عورت وارث ہو جائے گی یعنی خاوند کا مقصد پورا نہیں ہو گا یہ اس کے لیے سزا ہے۔

نوٹ: یہ قاعدہ کلیہ نہیں بعض مسائل میں ایسا نہیں ہوتا۔ مثلاً

۔ ام ولد نے اپنے مولیٰ کو قتل کیا تا کہ وہ آزاد ہو جائے تو وہ آزاد ہو جائے گی اور آزادی سے محروم نہیں ہو گی۔

2- خاوند اپنی بیوی سے حُسن سلوک نہیں کرتا اس کے باوجود اسے رکھا ہوا ہے تاکہ وہ اس کا وارث رہے تو وہ اس کا وارث ہوگا محروم نہیں ہوگا۔

3- نصاب پر سال گزرنے سے پہلے مال زکوۃ فروخت کردیا تاکہ زکوۃ سے فرار اختیار کرے تو یہ بیع صحیح ہے اور زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

4- کسی شخص نے کوئی چیز پی تاکہ صبح سے پہلے بیمار ہو جائے اور روزہ چھوڑنے کی اجازت ہو جائے صبح وہ بیمار ہوگیا تو اس کے لیے روزہ چھوڑنا جائز ہے (لیکن ایسا کرنا گناہ ہے۔)

قاعدہ نمبر 22

الولاية الخاصة اقوىٰ من الولاية العامة ولایت خاصہ، ولایت عامہ سے زیادہ قوی ہوتی ہے۔

ولایت عام بھی ہوتی ہے جیسے قاضی کو ولایت حاصل ہو تو یہ عام ہے اور خاص بھی ہوتی ہے جیسے باپ دادا وغیرہ کی ولایت۔ اس قاعدہ کا مطلب یہ ہے کہ جب ولی خاص موجود ہو تو ولی عام کو اختیار نہیں ہوگا۔

مثلاً۔ اگر یتیم بچے یا بچی کا ولی موجود ہو چاہے وہ ذی رحم محرم ہو مثلاً دادا، چچا یا ماں ہو تو قاضی کو ان بچوں کے نکاح کا اختیار نہیں ہوگا۔

اسی طرح مقتول کا ولی قصاص لینے، صلح کرنے اور معاف کرنے کا اختیار رکھتا ہے لیکن حاکم (ولیٔ عام) معاف کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔

ضابطہ

ولی کبھی نکاح اور مال دونوں میں ولی ہوتا ہے جیسے باپ اور دادا اور کبھی صرف نکاح میں ولی ہوتا ہے جیسے تمام عصبات، ماں اور ذوی الارحام۔ اور کبھی صرف مال میں ہوتا ہے جیسے وصی جو رشتہ دار نہ ہو۔

ولی کے مراتب

پہلا مرتبہ۔ باپ اور دادا کا ہے اور یہ ان کا وصفِ ذاتی ہے حضرت امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر اجماع ذکر کیا ہے کہ اگر وہ اپنے آپ کو اس منصب سے معزول کرنا چاہیں تو معزول نہیں ہوں گے۔

دوسرا مرتبہ۔ وصی کی ولایت ہے یہ اپنے آپ کو معزول نہیں کر سکتا۔

تیسرا مرتبہ۔ وکیل کی ولایت ہے اور یہ لازم نہیں ہوتی وکیل خود بھی اپنے آپ کو معزول کر سکتا ہے جب کہ موکل کو علم ہو اور موکل بھی اسے معزول کر سکتا ہے جب وکیل کو بتا دے۔

چوتھا مرتبہ۔ وقف کا نگران۔ اس کو معزول کرنے میں اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ واقف کسی شرط کے بغیر اسے معزول کر سکتا ہے۔

فتاویٰ رشید الدین میں ہے کہ قاضی وقف کے نگران کو معزول نہیں کر سکتا سوائے اس کے جب اس سے خیانت ظاہر ہو یہی وجہ ہے کہ وقف کے نگران کی موجودگی میں قاضی کو وقف میں تصرف کا اختیار نہیں۔

قاعدہ نمبر 23

لا عبرة بالظن البین خطؤہ جس ظن میں غلطی واضح ہو اس کا اعتبار نہیں ہوتا۔

مثال نمبر 1۔ کسی وقت کا گمان تھا کہ فلاں وقت ہے لیکن یہ گمان خطاء پر مبنی نکلا تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔

فقہاء احناف نے متعدد مقامات پر اس کی وضاحت فرمائی۔

مثلاً۔ فوت شدہ نمازوں کی قضاء کے باب میں فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے گمان کیا کہ فجر کا وقت تنگ ہے اور اس کے ذمہ عشاء کی نماز تھی جو فجر کے وقت میں تنگی کی وجہ سے چھوڑ دی پھر معلوم ہوا کہ فجر کا وقت کشادہ تھا تو فجر کی نماز باطل ہو جائے گی کیونکہ صاحب ترتیب جب تک فوت شدہ نماز قضاء نہ کرے اور وقت میں گنجائش بھی ہو اور وہ نماز یاد بھی ہو تو وقتی نماز جائز نہیں۔

جب یہ نماز باطل ہو گئی تو دیکھا جائے اگر اب بھی گنجائش ہے تو پہلے عشاء کی (فوت شدہ) نماز پڑھے پھر فجر کی نماز پڑھے اور اگر وقت میں گنجائش نہیں تو صرف فجر کی نماز لوٹائے۔

مثال نمبر 2۔ اگر پانی کے بارے میں گمان ہوا کہ یہ ناپاک ہے اور اس سے وضو کر لیا پھر ظاہر ہوا کہ پاک تھا تو وضو جائز ہوگا۔

یعنی ناپاک ہونے کا گمان غیر معتبر ہوگا۔

نوٹ: بعض مسائل میں اختلاف ہے مثلاً کسی شخص نے زکوٰۃ کا مصرف سمجھ کر کسی شخص کو زکوٰۃ دی پھر معلوم ہوا کہ وہ شخص غنی ہے یا زکوٰۃ دینے والے کا بیٹا ہے تو حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک جائز ہے جب کہ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز نہیں اور اگر ظاہر ہوا کہ وہ اس کا غلام یا مکاتب یا حربی ہے تو سب کے نزدیک جائز نہیں۔

نوٹ: تفصیل اصل کتاب میں ملاحظہ فرمائیں۔

قاعدہ نمبر 24

ذکر بعض مالا یتجزأ کذکر کلہ جس چیز کے اجزاء نہ ہوں اس کے بعض کا ذکر کل کے ذکر کی طرح ہے۔

مثال نمبر 1۔ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو نصف طلاق دی تو ایک طلاق واقع ہوگی کیونکہ طلاق کے اجزاء نہیں ہوتے۔

اسی طرح نصف عورت کو طلاق دی تو بھی طلاق ہو جائے گی کیوں کہ عورت کو نصف نہیں کیا جا سکتا۔

مثال نمبر 2۔ اگر قاتل کے بعض سے قصاص معاف کیا تو باقی بعض سے بھی معاف ہوگا۔

اسی طرح اگر مقتول کے بعض ولی قصاص معاف کر دیں تو سب کی طرف سے معاف ہوگا اور باقی اولیاء کا حق مال کی طرف منتقل ہو جائے گا۔

قاعدہ نمبر 25

اذا اجتمع المباشر والمتسبب اضیف الحکم الی المباشر

جب عمل کرنے والا اور اس کا سبب بننے والا اکٹھے ہو جائیں تو حکم کی اضافت، عمل کرنے والے کی طرف ہوگی۔

مثال۔ کسی شخص نے کنواں کھودا اور دوسرے آدمی نے اس میں کسی کو پھینک کر ہلاک کیا تو کنواں کھودنے والے پر ضمان نہ ہوگی (یہاں کنواں کھودنے والا متسبب ہے اور گرانے والا مباشر ہے)

اسی طرح اگر کوئی شخص کسی چور کو دوسرے آدمی کے مال کی خبر دے اور وہ چوری کرے تو چور ضامن ہوگا بتانے والا ضامن نہیں ہوگا۔

نوٹ: کچھ مسائل اس سے مستثنیٰ ہیں۔

مثال نمبر 1۔ جس کے پاس امانت رکھی گئی اس نے چور کو بتا دیا اور مال چوری ہو گیا تو امانت دار

ضامن ہوگا کیونکہ اس نے حفاظت کو ترک کیا جو اس کی ذمہ داری تھی (یہاں سبب کی طرف اضافت ہے)

مثال نمبر 2۔ کسی بچے کو چھری دے کہ وہ اپنے پاس رکھے وہ اس پر گر گئی اور وہ زخمی ہو گیا تو ضمان چھری دینے والے پر ہوگی (یہاں سبب کی طرف اضافت ہے)

الحمد للہ! الاشباہ والنظائر کے فن اول کا خلاصہ آج مورخہ 12 محرم الحرام 1436ھ بمطابق 6 نومبر 2014ء بروز جمعرات پایہ تکمیل کو پہنچا۔

محمد صدیق ہزاروی، شیخ الحدیث

جامعہ ہجویریہ، لاہور

اَلنَّحْوُ فِی الْکَلَامِ کَالْمِلْحِ فِی الطَّعَامِ

نحو کی کلام میں وہی حیثیت ہے جو کھانے میں نمک کی ہے!

اَلْمُتَرْجَمُ الْکَامِل

ترجمۂ

شَرْحُ مِائَۃُ عَامِلٍ

مُتَرْجِمُ و معرب

حضرت علامہ مفتی محمد اکمل عطا قادری عطاری مدظلہ العالی

ناشر

مکتبہ اعلیٰ حضرت
دربار مارکیٹ
لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تنظیم المدارس کے نصاب کے مطابق

اربعین نووی

تالیف

امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف شافعی نووی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ وشرح

قاری محمد یٰسین قادری شطاری ضیائی

مکتبہ اعلیٰ حضرت

دربار مارکیٹ ستا ہوٹل لاہور

عشق رسول اکرم ﷺ اور خوف خدا عزوجل اپنے دلوں میں
پیدا کرنے کے لیے چند قابل مطالعہ کتابیں

صحابہ کرام کے راہ خدا میں
قربانیاں دینے کے لازوال واقعات
کے بیان پر مشتمل کتاب

بزرگان دین کی
تعلیمات سے آگاہی کے
بارے ایک انتہائی مفید کتاب

درج بالا تمام کتب کا مطالعہ ایک بار "ضرور" "ضرور" "ضرور" فرمائیں